

# مجلس البحرین

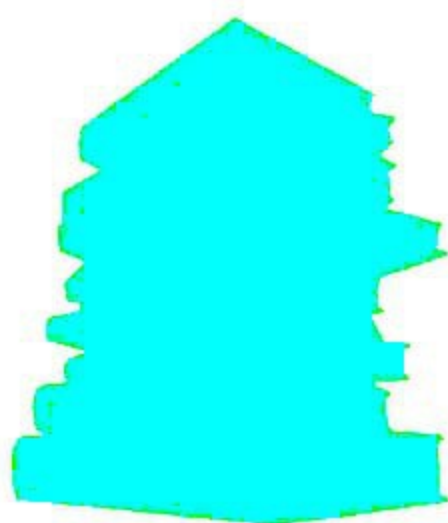
تصنیف سلطان وارا شکوہ

مؤلف  
پروفیسر سید نورس شاہ گیلانی

الگیلان پبلشرز ایٹ آباد ریزارہ

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

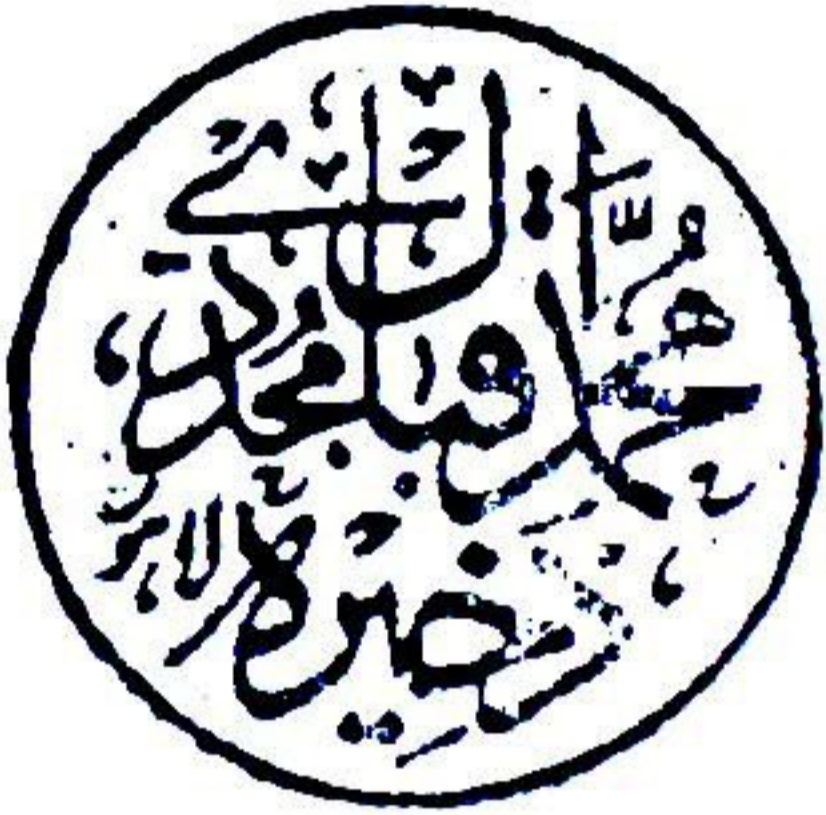
پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





# مجموع البحرین

تصنیف سلطان داراشکوہ



مؤلف  
پروفیسر محمد یونس شاہ گیلانی

الگیڈان پبلشرز ایبٹ آباد (ہزارہ)

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

133647

تعداد	ایک ہزار
بار اول	۹ مئی ۱۹۸۳ء
مصنف	سید یونس شاہ گیلانی
مطبع	ایس اے پرنٹرز لمیٹڈ ایبٹ آباد
کتابت	صوفی محمد صدیق مانسہروی
پبلشر	الگیلان پبلشرز ایبٹ آباد (سر بن چوک)

قیمت ~~۱۰~~ روپے

# انتساب

اپنے خالو ڈاکٹر محمد عبدالرشید مرحوم و تادری نوشاہی امرتسری

کے نام

جن کے فیضانِ نظر سے ہمارے گھرانے نے آدابِ بندگی سیکھے - ۶۶

## فہرست مضامین

ازڈاکٹر یوسف عباسی صدر شعبہ تاریخ  
قائد اعظم یونیورسٹی - اسلام آباد

مقدمہ

داراشکوہ کی ابتدائی زندگی -  
تعلیم و تربیت اور اس کے اساتذہ  
داراشکوہ کا سیاسی زوال اور شہادت

## تضامین

سفینۃ الاولیاء - سکینۃ الاولیاء - رسالہ حق نما - حسنات العارفین -  
سیر اکبر (اپنشنوں کا ترجمہ) - بھگوت گیتا - بیاض داراشکوہ - مکاتیب  
دیباچہ مرقع - دیوان داراشکوہ (اکسیر اعظم) - مجمع البحرین -

## داراشکوہ کے ہم خیال ساتھی :

بابالال بیراگی - سرمد شہید - شیخ محب اللہ الہ آبادی وغیرہ  
مجمع البحرین - فارسی متن  
مجمع البحرین - اردو ترجمہ

## وجہ تالیف

داراشکوہ کفر و الحاد میں اکبر بادشاہ کا نمائندہ تھا اور ہندوین کا گناہ، وہ ہندو جوگیوں اور سنیا سیوں سے مجلس آرائی کرتا تھا اور پندوں اور اپنشدوں میں حقیقت کی تلاش کرتا تھا، اگر اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین نہ ہوتا تو تمام ہندوستان میں ایک بھی مسلمان نظر نہ آتا اور اشکوہ نے رام و رحیم کو ایک کر دیا اور اس نے مجمع البحرین تصنیف کر کے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں اورنگ زیب نے اسے لائق دار جانا اور مفتیان شہر نے اورنگ زیب کے اس خیال کی تائید و حمایت اپنے دستخط شدہ فتووں سے کر دی! — راقم الحروف نے اکثر ایسے خیالات و نظریات اچھے خاصے پڑھے لکھے بلکہ دانشور طبقہ سے بار بار سنے۔ لیکن استفسار کے بعد یہی معلوم ہوا کہ ان کے نظریات کی بنیاد زمانہ طالب علمی میں نصاب میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی کتب ہیں اور بس۔ یعنی کار پفلاں تمام خواہش۔

زیر نظر تصنیف مجمع البحرین مصنفہ شہزادہ داراشکوہ ایک عرصہ سے نایاب تھی۔ ۱۹۲۹ء میں پروفیسر محفوظ الحق نے ہاتھام رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے ایڈٹ کیا تھا۔ یہ ایڈیشن انگریزی میں تھا۔ حسن اتفاق سے مجھے اپنے خاندانی کتب خانہ سے ایک قلمی نسخہ مجمع البحرین کامل گیا جو پروفیہ محفوظ الحق کے نسخوں سے بھی قدیم تھا۔ اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ اس نسخہ کو افادہ عام کے لیے شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ مجمع البحرین مع اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ نام نہا دانشور براہ راست داراشکوہ کے خیالات سے مستفید ہو کر کوئی حتمی رائے قائم کر سکیں۔ میں نے داراشکوہ کے احوال و آثار کو تاریخ کے آئینہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں شاہ جہانی دور کی کتب تاریخ سے مدد لی ہے۔ اب یہ قارئین کرام کا کام ہے کہ زیر نظر تصنیف کو داراشکوہ کا ایک بلکہ انہماک قرار دے کر مسترد کر دیں یا اسے ایک عالمانہ تحقیق و جستجو کا شاہکار سمجھ کر حرز جاں بنا لیں و مَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

سید محمد یونس شاہ گیلانی

ایبٹ آباد

۹ مئی ۱۹۸۳ء



## مقدمہ

ازڈاکٹر محمد یوسف عباسی ایم۔ اے پی ایچ ڈی۔

صدر شعبہ تاریخ - قائد اعظم یونیورسٹی - اسلام آباد

داراشکوہ کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ وہ شاہجہان کا فرزند دلہند اور تخت و تاج کا وارث تھا۔ اگر وہ کسی غریب گھرانے کا چشم و چراغ ہوتا تو شاید اسکی زندگی کامیاب ہوتی اور اس کا شمار اس دور کے برگزیدہ صوفیوں میں ہوتا۔ وہ اہل علم میں ایسا ارفع مقام حاصل کر لیتا کہ آئندہ نسلیں اس سے اکتساب فیض کرتی رہتیں۔ اگرچہ صوفی اور عالم کی حیثیت سے اس نے بہت نام پیدا کیا تاہم امور سلطنت نے اس کی فطری صلاحیتوں کو پوری طرح ابھرنے نہ دیا۔ اس کے برعکس اس کا عالمانہ ذوق اور صوفیانہ مزاج اس کے لیے "روشنی طبع تو بر من بلا شدمی"، ثابت ہوا اور وہ سیاست و حکومت میں ماہرانہ صلاحیت حاصل نہ کر سکا جو اس کے اعلیٰ ترین منصب کا تقاضا تھا۔ داراشکوہ فطری طور پر شاعر، صوفی منش اور فلسفیانہ ذوق کا مالک تھا۔ یہ صفات ایک عام آدمی کو کبیر یا میا نمیر تو بنا سکتی ہیں لیکن سیاسی جدوجہد میں کامیاب نہیں کر سکتیں۔ مغل شہزادے کے لیے یہ خوبیاں نہ تھیں بلکہ مہلک قسم کی کمزوریاں تھیں جن کا راستہ تخت شاہی کے بجائے تختہ دار کی طرف جانا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ذہنی میدان منصور علاج کی طرف ہوا اور منزل تخت شاہجہانی ہو۔ مغل شہزادوں کی زندگی بہت مختلف قسم کی تھی۔ ان میں سے بیشتر کا وقت سپاہیانہ مشاغل، سیر و شکار، درباری سیاست اور شاہد و شراب میں گزرتا تھا۔ شجاع اور مراد اسی قسم کے شہزادے تھے۔ عالمانہ ذوق، صوفیانہ تفکر، مراقبہ اور تزکیہ نفس جیسی غیر مرئی اقدار کا ان کی پرہنگام زندگی میں دخل نہ تھا۔ اس کے برعکس

داراشکوہ عربی، فارسی اور علوم متداولہ کے علاوہ سنسکرت اور ہندو فلسفہ میں بھی یدِ طولی رکھتا تھا اور اس کا بیشتر وقت درباری تقریبات اور علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔ وہ شان و شوکت کا بہت دلدادہ تھا اور اپنی تعریف سننے کا بھی۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہ تھا کہ بحیثیت دلی عہد کے اسے اپنے بھائیوں سے چنداں خطرہ نہیں ہو گا لیکن وہ تیموری شہزادوں کے بے رحم روایت کو بھول گیا تھا۔ کہ تخت کی سیڑھیوں پر چڑھنے کے لیے بھائیوں کی لاشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ دارا کے دل میں اورنگ زیب کی طرف سے وسوسہ ضرور تھا لیکن اس نے وہ خوبیاں پیدا نہ کیں جو اسے اورنگ زیب کی تلوار سے بچا سکتیں اورنگ زیب فن حرب کے ساتھ فن سیاست میں بھی ماہر تھا۔ وہ آہنی عزم کا مالک، تجربہ کار سپہ سالار اور عیار سیاستدان تھا۔ جب واقعات نے دارا اور اورنگ زیب کو ایک دوسرے کے مخالف کر دیا تو شکست دارا کا مفدر بن گئی۔

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ اورنگ زیب نے جنگ وراثت کو مذہبی جنگ کا رنگ دیا تھا۔ وہ دارا کی فلسفیانہ بے راہ روی سے خوب آشنا تھا جس کو اچھا لکرا اس نے اپنا سیاسی مقصد حاصل کیا۔ بھائیوں کی جنگ وراثت کو معرکہ و باطل اور کفر و اسلام کے آویزش ثابت کرنے کا رجحان عام ہے۔ لیکن تاریخچی استواہد اس مفروضہ کی تائید نہیں کرتے اگر یہ واقعی مذہبی جنگ ہوتی تو سارے ہندو دارا کے جھنڈے تلے صف آراء ہوتے اور سارے مسلمان اورنگ زیب کے علم تلے جمع ہوتے۔ لیکن صورت حال مختلف تھی۔ دارا نے اودھ پور کے مہاراجہ راج سنگھ کی جان بخشی کروائی تھی۔ اور ریاست بحال کروائی تھی لیکن راج سنگھ نے باقی ماندہ پرگنہ جات حاصل کرنے کے لیے اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ راجہ روپنے نادرہ بیگم کا دودھ پیا تھا اور شاہی انعام و اکرام سے وافر حصہ پایا تھا لیکن دیورائے کی جنگ میں وہ دارا کے مخالف فریق کے ساتھ تھا۔ شجاع کی شکست کے بعد راجہ بیگم نے نہ صرف اعلانِ اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ بلکہ راجہ جسونن سنگھ کو بھی اورنگ زیب

کی حمایت پر آمادہ کر لیا۔ اس کے برعکس دارا کا راجپوت جانتا راجہ روپ سنگھ ساموگرھ کے میدان میں اورنگ زیب پر حملہ کرتا ہوا مارا گیا۔ ان حالات کے پیش نظر یہ قطعی فیصلہ صادر کرنا کہ یہ کفر و اسلام کی جنگ تھی قرین انصاف نہیں ہے۔

شیکسپیر کے المیہ ڈراموں کے ہیرو کی طرح دارا شکوہ کی ناکامی بھی اس کے کردار کی خامیوں کا سانچہ تھی۔ اس میں شاہجہان کی فروعی اور ظاہری صفات کا عکس تھا جبکہ اورنگ زیب میں شاہجہان کی اعلیٰ صفات اجاگر ہو گئی تھیں۔ دونوں بھائیوں کے کردار مخالف اور تضاد کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ دارا شکوہ روشن جیسے، کشادہ دست، علم دوست اور عزیز پر در انسان تھا۔ لیکن وہ کئی منفی صفات کا بھی حامل تھا۔ وہ خود کو عقل کل تصور کرتا تھا۔ اس کی خود سری اور خود رانی کا یہ عالم تھا کہ اختلاف رائے برداشت نہیں کر سکتا تھا جس کی وجہ سے مقررین اور جانثاروں کو بھی جرأت نہ ہوتی کہ وہ نیک و بد کی نشاندہی کر سکتے اس وجہ سے خوشامدی اور موقع پرست اشخاص کو شہزادہ کا قرب حاصل تھا۔ جس طرح وہ نرم دل تھا اسی طرح وہ مغلوب و بالغضب بھی تھا۔ اس کا عرصہ پہاڑی ندی کی طغیانی کی طرح تھا کہ پل بھریں ہلاکت آفریں طوفانی لہر اور پھر ویسے ہی نرم روا اور پایاب۔ چنانچہ دارا کے غضب سے امراتے مخالف نہ تھے جتنے کہ اورنگ زیب کے معنی خیز خندہ زبر لب سے۔ دارا کی نزہت بھی غلط تھیں۔ وارث تخت کو امور سلطنت اور فن سپہگری کو اولیت دینا چاہیے تھی لیکن وہ اپنا بیشتر وقت علم و ادب، فلسفہ و نقوش کی گتھیاں سلجھانے میں صرف کرتا۔ ان خوبیوں سے وہ شیخ الجامعہ نو بن سکتا تھا۔ تاجدار نہیں۔ اورنگ زیب بھی اعلیٰ پایہ کا عالم اور صاحب ذوق انسان تھا لیکن وہ حکومت کے تقاضوں اور علمی مشاغل میں بنیادی فرق سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ اس نے کبھی تلوار کی جگہ کتاب کو نہ دی۔ دارا اورنگ زیب دونوں مسلمان تھے، اگرچہ دونوں کا اسلامی شعور مختلف تھا۔ دارا اکثر اورنگ زیب کو نمازی کہا کرتا تھا جس سے وہ بزم خود اپنے چھوٹے بھائی کی

نمائشی عبادت یا ریاضت کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس اختلاف میں اعتقادات سے زیادہ سیاسی مناقشت اور شخصی نفرت کا جذبہ کارفرما تھا۔ بعض مورخین دارا کو اکبر کا روحانی جانشین سمجھتے ہیں۔ جہاں تک رواداری اور صلح کل کی حکمت عملی کا تعلق ہے دونوں کے خیالات میں چنداں فرق نہیں تھا۔ البتہ دونوں کے معتقدات میں بہت فرق تھا۔ اگرچہ اکبر کے مذہبی خیالات و معتقدات فی نفسہ متنازعہ موضوع ہے جس پر مخالف و متضاد آراء ملتی ہیں لیکن دارا کے مذہبی فکر کے متعلق کوئی ابہام نہیں ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب نے دارا پر الحاد کا فتویٰ لگایا لیکن اس فتویٰ سے دارا کافر اور ملحد تو قرار نہیں دیا جاسکتا اورنگ زیب کو بھائی کے قتل کا مذہبی جواز مطلوب تھا۔ اگر وہ فتویٰ کے تکلف کے بغیر بھی دارا کو قتل کروادیتا تو بھی اسے کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ اس فتویٰ کی وہی سیاسی حیثیت تھی جو شہزادہ اکبر نے اپنے والد اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد اس کی معزولی کے لیے حاصل کیا تھا۔

اس بحث میں بنیادی امر تو یہ ہے کہ اکبر اور دارا کے دینی عقائد میں بڑا فرق تھا۔ اگر ملا عبد الفت اور بدایونی اور عیسائی مشنریوں کی شہادت پر تکیہ کیا جائے تو اکبر کے الحاد و زندقہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ابوالفضل نے بھی اکبر کے کئی غیر شرعی احکام کی نشاندہی کی ہے۔ اکبر نے توحید میں دوسرے مذاہب کی آمیزش کی لیکن اس کے برعکس دارا نے ہندومت اور ویدانت فلسفہ کا عمیق مطالعہ تو ضرور کیا لیکن دین الہی کی طرح کوئی مذہبی ملبغوبہ تیار کرنے کی کوشش نہ کی۔ اکبر الہامی کتابوں کا قائل نہ تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خالق کل جو مجسم اور متشکل نہیں ہے کیسے کسی شخص کی زبان سے بول سکتا ہے۔ وہ حدیث کو مشکوک سمجھتا تھا اور اس کی پابندی کا مکلف نہ تھا۔ لیکن دارا کی کتابیں قرآنی آیات اور احادیث کے حوالوں سے پُر ہیں۔ دارا نہ صرف قرآن کو بلکہ ویدوں کو بھی الہامی کتابیں سمجھتا تھا۔ البرونی نے بھی ویدوں میں توحید کے تصور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاہم واضح حوالہ

کے بغیر ویدوں کو الہامی کتاب ماننا مسلمان کے لیے مشکل ہے۔ لیکن وہ لوگ جو قرآن کریم  
 کی اس آیت کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے گئے تو یہ ناممکن ہے کہ  
 اقوام کا دائرہ صرف سامی النسل لوگوں تک محدود سمجھا جائے۔ اس مسئلہ کی حیثیت  
 کچھ بھی ہو یہ فردعی قسم کا غیر ضروری سوال ہے جس سے اسلام کی نفی لازم نہیں ہوتی۔  
 دارا شکوہ معراج جسمانی پر ایمان رکھتا تھا اور اپنے دور کے فلسفہ کے مطابق اس کی توجیہ  
 بھی تلاش کرنی تھی۔ یعنی حضور سرور کائنات کا وجود ہوا سے سبک نہ تھا۔ اس لیے اُن  
 کے لیے معراج جسمانی ممکن تھا۔ علمی اعتبار سے یہ تاویل قابل التفات نہ ہو لیکن اس سے  
 ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ دارا کا ذہن کافر نہ تھا۔ دارا کے کلام اور کتابوں میں حضور سرور کائنات  
 سے گہری محبت جھلکتی ہے۔ ابتداء میں اس کا یہ خیال تھا کہ جب صوفی درجہ معرفت کو پہنچ  
 جاتا ہے تو وہ شرعی عبادات کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ خیال دارا کی اختراع نہیں  
 تھا بلکہ اس دور کے صوفیوں میں کیا، موجودہ دور کے صوفیاء میں بھی عام ہے۔ منصور حلاج  
 اور سرمد جیسے مخدوب اس مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جب دارا نے حضرت ملا شاہ  
 بدخشی کی بیعت کی تو انہوں نے دارا کی خام خیالی کو دور کر دیا اور اسے شرعی عبادات کی سختی  
 سے تاکید کی۔ اس کے بعد دارا صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو گیا۔ البتہ کبھی کبھی کوتاہی کر جاتا۔  
 اکبر کی طرح دارا نے ہندو رسوم اختیار نہ کیں۔ نہ وہ قشقہ لگانا اور نہ ہی ہولی کھیلتا تھا۔  
 ہندوؤں سے رواداری کا سلوک ضرور کرتا۔ ہندوستانیوں اور جوگیوں سے تبادلہ خیال  
 بھی کرتا لیکن اس کے با وصف اس نے ہندووانہ وضع قطع اختیار کرنے یا ان کی رسوم اپنانے  
 سے گریز کیا۔ اس کے خلاف ایک اور سنگین الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ اس کی انگشتی پر  
 ”پربھو“ کا ہندی لفظ کندہ تھا جس کے معنی خدا کے ہیں۔ اور نگ زیب کے مقرر کردہ  
 علماء کی نظروں میں یہ انگشتی دارا کے الحاد کی نشانی تھی۔ حالانکہ وہ اللہ کو رب العالمین  
 سمجھتا تھا۔ شاید اس نے پربھو کا لفظ کسی یوگی کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا ہو

ہو یا محض رواداری کی علامت کے طور پر۔ بہر کیف اس کے تحت جو جذبہ کار فرما تھا وہ اس کے اس شعر کی تفسیر تھا۔

سے بنام آنکہ اونامی ندارد

بہر نامی کہ خوانی بر سر آرد

دارا کی طبیعت تصوف کی طرف جوانی سے ہی مائل تھی۔ غالباً ۱۶۳۵ء میں وہ حضرت میا نمیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے دل میں شوق و طلب کی آرزو جاگ اٹھی۔ حضرت میا نمیر کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ حضرت ملا شاہ بدخشی کے دست مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ قادریہ سے منسلک ہو گیا۔ رسالہ حق نما میں اس نے اپنی قلب ماہیت کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے بعد وہ لکھنا ہے کہ حجابات دور ہوتے گئے۔ دارا کی بہن جہاں آرا چشتی خاندان میں حلقہ بگوش تھی اور اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح مرتب کی۔ مولانا رواج کے مطالعہ سے جہاں آرا کے فضل و کمال کے علاوہ اس کی تصوف سے گہری دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالباً اپنی عالی خیال ہمیشہ سے متاثر ہو کر دارا شکوہ نے اپنے مرشد اعلیٰ حضرت میا نمیرؒ بالاپیر کے حالات زندگی پر سکینتہ الاولیاء نامی کتاب لکھی۔ یہ محض واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ سالک راہ حق کے مشاہدات اور تجربات کی تصویر بھی ہے۔ یہ کتابیں ۱۶۳۹ء سے ۱۶۴۶ء کے عرصہ میں لکھی گئیں اور یہ دارا کی منزل شوق میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔

دارا شکوہ کی تصانیف میں وحدت الوجود جیسے متنازعہ مسائل کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اور ویدانت کی بازگشت بھی۔ لیکن یہ نتیجہ اخذ کرنا محل نظر ہوگا کہ ویدانت اس کے لیے منبع رشد و ہدایت تھا۔ اس کے بیشتر خیالات ابن العربی اور ابوالنضر سراج کی مرہون منت ہیں۔

رسالہ حق کے بعد دارا نے عیسائیت، یہودیت اور ہندومت کا گہرا مطالعہ کیا اور

۱۶۲۷ء سے ۱۶۵۷ء تک کے دس سال اس نے مذاہب کے تقابل اور تجزیہ میں گزار دیئے اس کی روحانی کیفیات کا حال تو معلوم نہیں لیکن اس کے علمی مشاغل کی تصویر بڑی روح پرور ہے۔ اس کا بیشتر وقت مختلف مذاہب کے پرستاروں سے تبادُلہ خیال میں گزارتا اور وہ پنڈتوں سے سنسکرت سے فارسی ترجمہ کے مسائل پر گفتگو کرتا۔ اس دور میں دارا نے تین گرانقدر کتابیں لکھیں۔ بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ مجمع البحرین لکھی اور اپنشدوں کا فارسی ترجمہ سرالاسرار کے عنوان سے پیش کیا۔

مجمع البحرین اسکی آخری اور معرکتہ الآرا کتاب ہے، کتاب مروجہ انداز میں حمد باری، درود و سلام سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دارا بدستور مسلمان ہے البتہ وہ عقیدہ توحید پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں ہندو لوگوں اور پنڈتوں سے تبادُلہ خیال کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تصور ایزدی اسلام اور ہندو مت دونوں میں موجود ہے۔ محض اختلاف لفظی سے یہ مسئلہ نزاعی صورت اختیار کر گیا ہے یہ حقیقت ایسی ہے جو اہل نظر کے لیے آشکار ہے لیکن ”کند فہان غیر بین“ اسے نہیں پاسکتے۔ دارا نے ہندو اور اسلامی تصورات کو ہم آہنگ کرنے کی بھی کوشش کی۔ ایلرونی کی طرح دارا نہ تو خود اعلیٰ پایہ کا سنسکرت دان تھا۔ اور نہ ہی محقق۔ اس لیے اس نے دونوں مذاہب میں قدر مشترک کی تلاش میں کسی فاش غلطیاں بھی کیں۔ لیکن یہ غلطیاں عالمانہ جستجو کا فطری تقاضا تھا انہیں بد نیتی پر محمول کرنا بذات خود بددیانتی ہوگی۔

پروفیسر سید یونس شاہ نے مجمع البحرین کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب کے مختلف نسخوں کا تقابل اور تجزیہ کرنے کے بعد زیر نظر کتاب مرتب کی ہے۔ یہ کام ہذاں خود اعلیٰ قسم کی تحقیق میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے سلیس اور شگفتہ انداز میں مجمع البحرین کا اردو ترجمہ پیش کر کے سرمایہ علم و ادب میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یونس شاہ صاحب نہایت باریک بین نقاد ہیں جن کی نگاہ چھوٹی چھوٹی جزئیات

کا بھی محاکمہ اسی طرح کرتی ہے جیسے کہ مہمات الامور کا۔ چنانچہ ان کے تحقیقی نتائج بدرجہ اتم  
ندوت کے حامل ہیں۔ ممکن ہے کہ دارا کے متعلق آپ ان کی آراء سے متفق نہ ہوں لیکن یہ  
بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ ان کی آراء ٹھوس تحقیق پر مبنی ہیں اور محض "میں نہ مانوں" سے  
ان کی اہمیت کم نہیں کی جاسکتی۔ اورنگ زیب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن کسی کو دارا  
کی حمایت میں قلم اٹھانے کی جرأت نہیں تھی۔ پروفیسر پولس شاہ اس اخلاقی جرأت  
کے لیے مستحق تہنیت ہیں کہ انہوں نے مروجہ آراء کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا بلکہ  
تحقیق کی نئی راہ نکال کر دارا شکوہ قادری کی شخصیت کو اس کے علمی کارناموں کے حوالہ  
سے اجاگر کیا ہے۔ ہمارے ہاں دارا کی دہریت تاریخی مسلمات میں داخل سمجھی جاتی ہے۔  
حالانکہ دارا کافر نہ تھا۔ جیسے عصر حاضر کی سیاست میں حریفوں کو غدار کہہ کر بدنام  
کرنے کا رواج ہے ویسے ہی اس دور میں سیاسی دشمنوں پر کفر کا فتویٰ لگا کر گردن  
زدنی قرار دیا جاتا تھا۔ آج تک اکثر مؤرخ اورنگ زیب کی پاسداری کرتے رہے ہیں۔  
لیکن پولس شاہ صاحب نے دارا کا موقف پیش کر کے تاریخ کو نئے زاویے سے جانچنے  
کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر یوسف عباسی

صدر شعبہ تاریخ۔ قائد اعظم یونیورسٹی

اسلام آباد۔



## مجمع البحرین شہزادہ داراشکوہ

مجمع البحرین کا مصنف شہزادہ محمد داراشکوہ پاک ہند کی علمی، ادبی اور روحانی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے مؤرخین نے ایک ہی رخ سے دیکھا، پرکھا اور فیصلہ کر دیا اور شہزادہ کو صوفی احوال و آثار پر اب بھی جو تاریخی کے سائے پڑے ہوئے ہیں، وہ ہماری اسی یک رخ سوچ کا نتیجہ ہیں۔ یہ صورت حال نہ صرف بے انصافی کی مظہر ہے بلکہ ہماری علمی و ادبی وراثت سے عدم توجہی کا ثبوت بھی ہے۔ ایک انگریز کرنل سلیمین کو جب داراشکوہ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا تو اس نے کہا:-

”کہ افسوس اس سنگ مرمر کی سِل کے نیچے وہ سردفن ہے جس میں وہ عالی دماغ و دلچت کیا گیا تھا کہ اگر زمانہ اسے کچھ مہلت دیتا تو وہ اہل ہند کی قسمت بدل دیتا اور ہندوستانوں کی تعلیم اور طرزِ تعلیم بالکل جداگانہ ہوتی“ لے

دارا کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات تاریخوں اور تذکروں میں نہیں ملتیں۔ حالانکہ شہزادہ کی گوناگوں مصروفیات اور اشغال کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس نابغہ روزگار کی سوانح کی تفصیلات، جزئیات کی حد تک موجود ہونیں تاکہ مختلف شعبہ ہائے

علوم و فنون میں اس کا مقام متعین کرنے میں آسانی ہوتی اور یہ معلومات پس منظر کے طور پر محققین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتیں۔

شاہ جہاں جب شہزادہ خرم تھا تو ایک عظیم سلطنت کا ولی عہد ہونے کے باوجود اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ وہ اس فطری خواہش کی تکمیل کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر بکثرت حاضر ہوتا اور بڑے خشوع کے ساتھ تاج و تخت کے وارث کے تولد ہونے کی دعائیں مانگتا۔ آخر دعائیں بار آور ہوئیں۔ اور ممتاز محل کے بطن سے ایک فرزند ۱۹ صفر ۱۶۲۲ء مطابق ۲ مارچ ۱۶۱۵ء کو اجمیر میں پیدا ہوا۔ شاہنشاہ جہانگیر نے اپنے پوتے کا نام محمد داراشکوہ رکھا۔ اس سے قبل شاہجہاں کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ محمد النساء جو ۸ صفر بروز ہفتہ ۱۶۲۲ء کو اگرہ میں تولد ہوئی اور تین سال ایک ماہ زندہ رہنے کے بعد اجمیر میں ۲۲ ربیع الثانی کو فوت ہو گئی۔ دوسری لڑکی جہاں آرابیگم میواڑ کی مہم کے دوران ہینی گاؤں میں ۲۱ صفر ۱۶۲۳ء کو پیدا ہوئی۔

اس لیے داراشکوہ کی پیدائش برشاہانہ وقار اور عیش و نشاط کا مظاہرہ کیا گیا اپنی پیدائش کے ذکر میں شہزادہ سفینتال اولیا میں حضرت خواجہ جمیریؒ کے ذکر میں یوں رقمطراز ہوتا ہے :-

”نیاز مند بھی کئی بار روضہ پر حاضر ہوا ہے۔ اجمیر شریف کی فضا بڑی دلکش اور یہاں کی آب و ہوا میں نور و سرور کے اثرات گھلے ملے ہیں اس کے چاروں طرف ایک بڑا طویل و عریض تالاب ہے جو دریا کی سی وسعت لیے ہوئے ہے۔ اس کا نام ساگر تال ہے۔ اس فقیر کی ولادت بھی خطہ اجمیر میں ساگر تال کے قریب ہوئی ہے اور اس فقیر کی تاریخ پیدائش دو شنبہ ماہ صفر ۱۶۲۲ء ہے۔ قبلہ والد ماجد کے گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ کوئی لڑکا منولد نہیں ہوا تھا اور ان کی عمر ۲۴ سال کی

ہو چکی تھی۔ والد ماجد نے اس اعتقاد کی بنیاد پر جو انہیں خواجہ خواجگان سے تھا، نذر و نیاز کی پیشکش کے بعد لڑکے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے صدقے میں اس فقیر کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اپنی اور اپنے دوستوں کی محبت سے نوازے اور نیکی کی توفیق ارزانی فرمائے۔“ لے

جشن ولادت کے موقع پر ابوطالب کلیم نے تہنیتی قصیدہ پیش کیا جس کے ایک شعر ستارچ بھی نکالی ہے۔

ہے بگوش دل از بہر تاریخ آمد "گل اولین گلستان شاہی"۔

۳۱-۲۴

دارالشکوہ کی ابتدائی مروجہ تعلیم کا آغاز ملا عبد اللطیف سلطان پوری کی اتالیقی سے ہوا دارا کی عمر اس وقت چھ برس تھی اس زمانہ میں شاہجہاں پریشاں حال تھا یہاں تک کہ سر میں بغاوت کا سودا سمایا۔ کچھ ملکہ نورجہاں کی کدورت کا بھی اثر تھا۔ آخر باپ سے صلح ہوئی اور دارالشکوہ و اورنگ زیب کو بطور ریر عمال جہانگیری کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت دارا گیارہ برس کا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں دارالشکوہ نے ملا عبد اللطیف سلطان پوری سے اکتسابی علوم حاصل کئے یہ امر حیرت انگیز ہے کہ شہزادے نے اپنی تصنیفات میں ملا موصوف کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ایک دوسرے استاد حضرت اخوند میرک شیخ کا ذکر بڑے ادب کے ساتھ اپنی تصنیفات میں کیا ہے ایک جگہ لکھتا ہے :-

”حضرت اخوند میرک شیخ جو میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم فاضل ہیں۔ زہد و پرہیزگاری میں اور حق گوئی میں ان کا قدم نہایت استوار ہے“

لے سیفتہ الاولیاء مصنفہ شہزادہ دارالشکوہ۔ اردو ترجمہ وارث کامل صفحہ ۱۱۸

۲۷ جون ۱۶۲۶ء۔ دیکھئے منتخب الالباب جلد اول صفحہ ۳۳ و تزک جہانگیری ص ۳۹

حضرت اخوند میرک کی بطور خاص قدر افزائی کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ حضرت میانیر کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ ملا عبد اللطیف بھی ایک جید عالم تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکی انالیف کا زمانہ مختصر تھا کیونکہ شاہ جہان کے بادشاہ بننے سے پہلے یہ انا لبق مقرر ہو چکے تھے ان کا شاگرد داراشکوہ بھی سن شعور کی بختگی اور فرق و تمیز کی حدود سے بہرہ ور نہ ہوا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ تاثرات لوح قلب پر قائم نہ رہ سکے ہوں جو اس فاضل زمانہ نے ابتدائی تعلیم میں مرتب کئے ہوں گے۔ عمل صالح کا مصنف ملا عبد اللطیف کے بارے میں لکھتا ہے۔

”سر آمد فضلائے ملت حنیف مولانا عبد اللطیف بگرد آوری سائر علوم و جمہلی فنون حکمتی و ادبی کوشیدہ نہایت مراتب امرکاں میں مرتبہ بدست آوردہ بحدت فہم و قوت حافظہ و فصاحت تقریر و صفائی تحریر بے نظیر وقت و روزگار بود۔ پیش از جلوس مبارک سعادت ملازمت شرف دریافتہ بمنصب تعلیم شہزادہ بلند اقبال محمد داراشکوہ مقرر گشت۔“

ان دو فضلائے زمانہ کے علاوہ شیخ بروہی کا ذکر بھی دارا کے اساتذہ کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ ان اساتذہ کی نگرانی میں داراشکوہ نے ظاہری علوم یعنی ادبیات عربی و فارسی، تفسیر و فقہ اور علوم منداولہ کی تعلیم حاصل کی لیکن جس تعلیم پر داراشکوہ خود فخر کرتا ہے وہ اس کی روحانی اور باطنی تعلیم ہے اس ضمن میں دارا کے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد ہے جن میں اولیاء اللہ کے علاوہ ہندو فقیر اور جوگی تارک الدنیا بھی موجود ہیں۔ دارا کی تصنیفات اور تالیفات میں جگہ بہ جگہ ایسے معتدرا اور صاحب حال و قال کا ذکر پایا جاتا ہے جن سے دفاتر و فتاویٰ روحانی بالیدگی پاتا رہا۔ کئی ایک سے اپنی روحانی صحبتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ حضرت میانیر لاسہوری کا توسار اخاندان صدق دل سے معتد تھا۔ شاہ جہان نے معتد و بار حضرت میانیر کے ہاں

حاضری دی اور رشددہا پیت سے مستفید ہوا۔ چونکہ داراشکوہ، شاہجہان کا بڑا بیٹا تھا اور بڑی منتوں کے بعد پیدا ہوا تھا اس لیے اپنے باپ کی مصاحبت میں ہمہ وقت رہتا اور بادشاہ بھی ایک دم کی جدائی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس طرح حضرت میا نمیرم کے پاس جانے کے بیشتر مواقع اسے میسر آئے۔ چنانچہ داراشکوہ کی تصنیف سکینۃ الاولیاء جو حضرت میا نمیرم کے احوال و اشغال کے متعلق ہے مصنف کی کمال عقیدت و محبت کا بین ثبوت ہے۔

داراشکوہ کی منگنی کی رسم ممتاز محل بیگم کی خواہش کے مطابق شہزادہ پرویز کی لڑکی کریم النساء المعروف بہ نادرہ بیگم سے طے پا چکی تھی لیکن اسے اپنی زندگی میں بیٹے کی خوشی دیکھنے کا موقع نصیب نہ ہوا۔ اس کی وفات کے بعد داراشکوہ کی شادی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نادرہ بیگم سے جنوری ۱۶۳۳ء کے اواخر میں انجام پائی اسے شادی میں جملہ مروجہ رسومات پر دل کھول کر دولت لٹائی گئی اور شاہجہان نے اپنے چہیتے بیٹے کو اس کی ماں کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ کئی دنوں تک نغمہ ربات جاری رہیں کہا جاتا ہے کہ شادی کے جملہ مصارف پر تین کروڑ بیس لاکھ روپے خرچ کئے گئے دارا کے بھائیوں کے علاوہ دربار کے تمام بڑے بڑے منصبداروں نے دارا کی قیام گاہ پر جا کر مبارکباد پیش کی اور تحائف نذر گزارے۔

شاہجہان کی خواہش تھی کہ داراشکوہ کو امور جہان نانی اپنی نگرانی میں سکھائے۔ دارا کے بھائیوں شجاع، اورنگ زیب اور مراد کو مختلف صوبوں میں جاگیریں ملی ہوئی تھیں اور وہ سب دہاں کے نظم و نسق کو بطریق احسن اپنی ذاتی نگرانی میں چلاتے تھے اس کے برعکس داراشکوہ پر عنایت شاہانہ بے حساب تھیں اور وہ دارالخلافہ میں بیٹھ کر اپنے وکیلوں کی معرفت حکومت کی دیکھ بھال کرتا تھا اس کے دوسرے بھائیوں کو یہ بات کھٹکتی تھی شاہجہان کے اکتالیسویں جشن سالگرہ کے موقع پر داراشکوہ کو ۱۲ ہزار ذات اور

سے بحوالہ ظفر نامہ شاہجہان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی ص ۱۴۶۔ شعبان ۱۶۰۲ء میں سلطان پرویز (خلف جہانگیر) کی بیٹی سے شہزادہ داراشکوہ کا نکاح ہوا۔ بزم نشاط و چراغان نے آرائش پائی اور آتش بازی کے عجائبات ہوئے شاعرانہ نے تہنیت نامے لکھے اور تاریخ ہوئی۔ ط "قرآن کردہ سعدی بہ برج جلال"

۶ ہزار سوار کا پہلا منصب ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ملا ہے۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً داراشکوہ کے مناصب جلیلہ میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا رہا۔ دارا پر عنایت خسروانہ کی رفتار سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا شاہجہان انعام و اکرام اور عزت و ترقی کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے چنانچہ پانچ سات سال کے عرصہ ہی میں دارا کا منصب ۶ ہزار ذات اور ۲۰ ہزار سوار کا ہو گیا جس میں ۳ ہزار دو اسپہ سہ اسپہ بھی تھے۔

غالباً مغلیہ سلطنت میں کسی شہزادے کو اتنی جلدی اس قدر اکرامات کا مستحق نہیں سمجھا گیا اسی سال شہزادے کو ولی عہد سلطنت مقرر کرنے کا شاہی اعلان بھی ہوا اور اس کے ساتھ ہی حصار کی جاگیر بھی عنایت ہوئی۔ اس پرورش شاہانہ کو دارا کے دیگر بھائی دیکھتے تھے اور بعض حالات میں اپنی حق تلفی کو شدت سے محسوس کرتے تھے مثلاً جب ۱۱۶۵ھ میں دارا کو بہار کی صوبیداری بھی مل گئی تو شاہ شجاع جو بنگال و اڑیسہ کا صوبیدار تھا، رنجیدہ خاطر ہو گیا۔ اب دارا کے اختیار و تحویل میں حصار، الہ آباد، پنجاب، گجرات، ملتان اور بہار کی سرکاری تھیں۔ اس وسیع جاگیر اور سلطنت کے باوجود داراشکوہ امور جہاںبانی میں ناکام و نامراد رہا۔ سلطنت میں قیام نے اسے علم کے میدان کا شہسوار تو بنا دیا لیکن میدان جنگ کے داؤ بیچ سمجھنے سے وہ قاصر رہا۔ وہ شاہی دربار میں بیٹھا علماء اور فضلا سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا رہتا جبکہ اس کی وسیع سلطنت کے علاقوں میں اس کے نائب حکومت کرتے اس کے علاوہ بہت کم وقت کے لیے اور کبھی کبھار وہ اپنے علاقوں میں بنفس نفیس جاتا۔ اس طرح وہ اپنے لوگوں اور فوج کے بہادروں سے کٹ کر رہ گیا اور وہ اعتبار و اعتماد جاتا رہا جس کے نتیجے میں صلہ اور وفاداری ظہور میں آتی ہے۔

داراشکوہ کو ولی عہد بنانے کے بعد اسے "شاہ بلند اقبال" کا خطاب مرحمت ہوا۔ بادشاہ

۱۷ عبدالحمید۔ بادشاہ نامہ ص ۵۷۱

۱۷ قالونگو۔ داراشکوہ (انگریزی) ص ۲۲

کے دربار کے وقت دارا کے لیے الگ تخت اور شاہی چھتر موجود ہوتا۔ بادشاہ کے پہلو میں اس کے لیے جگہ مخصوص ہوتی۔ عنبر ضیکہ تمام امراء اور وزراء کو عملی طور پر یہ باور کرا دیا گیا کہ دارا شکوہ مستقبل میں ہندوستان کا بادشاہ ہوگا۔ لیکن اس کو فر کے باوجود شہنشاہ کی قربت اور شاہی دربار سے وابستگی اسے وہ کچھ نہ دے سکی جس کی ایک عظیم سلطنت کے ولی عہد کو ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اس کے کردار کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ جنگ و سیاست میں وہ ہزیمت کے باوجود اس نے مصائب و آلام کے دوران جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ایک ایسے شہزادے سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی جس کی زندگی میں راحت، عیش و مسرت اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا اور عنبر و اندوہ کا دور دورہ تک نشان نہ تھا۔

دارا شکوہ نہایت رحمدل، انصاف پسند اور سخی تھا۔ دارا کے ہاں پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو چند ماہ زندہ رہ کر ۲ مارچ ۱۶۳۲ء کو فوت ہو گئی۔ اس دوران شہزادہ جو باب کھسار لاکھو ر آ کر ہاتھ، شدتِ غم کی وجہ سے سوت بیمار پڑ گیا۔ اس امر نے شہنشاہ کو بھی متفکر کر دیا۔ یہاں تک کہ شاہجہان خود مسعد و بار اس کے خیمے میں تیمارداری کیلئے گیا اور غریبوں اور فقیروں میں کثیر خیرات تقسیم کی۔ اے

دارا شکوہ کی نادارہ بیگم کے بطن سے آٹھ اولادیں ہوئیں جن میں ۴ لڑکے اور ۴ لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سے مہر شکوہ ۱۶۴۹ء میں چند ماہ زندہ رہ کر فوت ہو گیا۔ اسی طرح متاثر شکوہ ۱۶۵۳ء میں پیدا ہوا اور پانچ سال کے بعد ۱۶۵۸ء میں فوت ہو گیا۔ باقی دو لڑکے سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ دونوں دارا کے قتل تک زندہ تھے اے

اے :- عبدالحمید۔ بادشاہ نامہ ص ۱۰۶، ۹، ۳

اے سلیمان شکوہ کی پیدائش دوران سفر دربار از دہلی تا آگرہ سلطان پور کے مقام پر جمعہ کی صبح ۲۶ رمضان ۱۰۴۴ھ

مطابق ۶ مارچ ۱۶۳۵ء ہولی سپہر شکوہ ۱۱ شعبان ۱۰۵۴ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۶۴۴ء کو پیدا ہوا۔

## سیاسی زوال اور قتل و آرا

سلیمان شکوہ اپنے باپ کی شکست کے بعد سرینگر کشمیر کے راجہ کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ لیکن راجہ کے بیٹے میدنی سنگھ نے دھوکہ سے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ سلیمان شکوہ کو اس دغا بازی کا علم ہوا تو اس نے لداخ کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا لیکن میدنی سنگھ کے راجپوت سپاہیوں نے راستے میں جالیا۔ شہزادہ جان توڑ کر لڑا اور زخمی ہوا۔ اس کے کئی دن دارسالمتی بھی مارے گئے زخمی حالت میں ہی اسے پایہ زنجیر دہلی لایا گیا جنوری ۱۶۶۱ء میں اسے قلعہ سلیم گڑھ میں قید کر دیا گیا۔ جب اسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ شاہجہان کا یہ پوتا بڑا خلیق، خوبصورت اور نیک سیرت جوان رعنا تھا۔ ابتدائے شباب میں کئی معرکوں میں شامل رہا۔ بات کا ذہنی اور مرد میدان تھا۔ فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنی نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے :-

” اورنگ زیب کے درباری، انقلاب زمانہ کے ہاتھوں خستہ حال شہزاد کو دیکھ کر رو پڑے۔ یہاں تک کہ محل سرا کی خواتین جو پردے کے پیچھے سے تماشا لے عیرت کر رہی تھیں۔ روئے بغیر نہ رہ سکیں اور گزب نے کہا کہ تمہارے ساتھ مناسب سلوک کیا جائے گا اس لیے تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تمہارے باپ کو تکفیر کے جرم میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے،“

چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۶۶۱ء کو سلیمان شکوہ کو الیاء کے قلعہ میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں شاہی حکم کے مطابق اسے بھنگ اور لوہست کا محلول دیا جاتا تھا جس کے اثر سے رفتہ رفتہ جسم و جاں کا رشتہ بغیر کسی احتجاج کے منقطع ہوتا جاتا۔ اگلے سال ہی ۱۶۶۲ء میں یہ بہادر اور خوب رو لوجوان بعمر ۳۰ سال عین عالم شباب میں راہی ملک عدم ہوا اور شہزادہ مراد بخش کے مزار کے متصل قلعہ گو الیاء کی پہاڑیوں پر مدفون ہوا۔

۱۔ عمل صالح ۲۶۳ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور



سپہر شکوہ جو ہسلیمان شکوہ کے ساتھ قید رہا۔ اس کا انجام بھی اپنے پیشروں سے مختلف نہ تھا دارا شکوہ کے قتل کے بعد اسے گوالیار کے قلعہ میں بند رکھا گیا اس وقت اس کی عمر پندرہ سولہ سال کی لگ بھگ ہوگی۔ مسند خزینۃ الاصفیاء لکھتا ہے کہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کے بیٹے کو اورنگ زیب کے روبرو پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا۔

”اے سپہر۔ چگونہ، و حالت چیست۔ سپہر این شعر فی البدیہہ بزبان اور  
وہ گفت :

ہجر دارا بردل من کمتر از یعقوب نیست

اول سپہر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

عالمگیر باستماع این تقریر سخت برنجید و گفت۔ ”گرگ راکشتن و بچہ اش

نگاہ داشتن کار خیرے مذاں نیست۔ این ہم را بہ کشیدہ“

بہر حال سپہر شکوہ کو ۱۲ سال کے بعد قلعہ گوالیار سے نکال کر قلعہ سلیم پور میں ڈال دیا گیا

پھر ۲۶ دسمبر ۱۶۷۲ء کو عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جہاں اسے رہائی کا پروانہ دیا گیا۔ اس

کے بعد ۳ جنوری ۱۶۷۳ء کو زبدۃ النساء دختر اورنگ زیب عالمگیر سے اس کی شادی کر

دی گئی۔ اسی طرح دارا شکوہ کی لڑکی جہان نزیب بالو عرف جانی بیگم کی شادی کچھ عرصہ کے بعد

اورنگ زیب کے حکم سے شہزادہ محمد اعظم کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔

دارا شکوہ کی زندگی کا کرہ ناک انجام دنیائے دوں کے لیے مقام عبرت ہے۔ وہ بادشاہی

کے زمانہ میں فقراء اور حکمائے زمانہ سے علم و ادب کے میدان میں خراج تحسین لیتا رہا، لیکن اس کا

سابقہ مفاد پرستوں، محسن کشوں اور غداروں سے پڑاجن کے ہاتھوں اس کی موت کا المیہ

تمام ہوا۔ ساموگر ٹھہ کی لڑائی اور شکست کے بعد ایک اعتبار سے دارا شکوہ کی قسمت کا فیصلہ

نوشہ دیوار بن چکا تھا، تاہم دوران فرار اور حالت ملال میں کبھی کبھی امید کی کرن روشن ہوتی۔

داراشکوہ نے دربار کی "پریشان تو رسی" سے تنگ آکر قذہار جانے کی ٹھانی۔ اس کے ساتھی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنے لگے۔ اہل خاندان ہندوستان کی سرزمین پر جینا اور مرنا چاہتے تھے۔ دارا اٹھلا اور تھکن سے چڑا، متذبذب کیفیت میں مبتلا کسی رجال الغیب کا منتظر تھا۔ اس کی چہیتی بیوی نادرہ بیگم زیادہ بیمار ہو گئی۔ تقاضائے حال کے اعتبار سے دارا نے یہ مناسب سمجھا کہ دارا کے افغان جاگیردار ملک جیون کے پاس چندے مقیم رہ کر دوبارہ سفر جاری رکھا جائے۔ دارا کو یہ قوی امید تھی کہ ملک جیون جو ایک زمانے میں اس کا ممنون احسان تھا بلکہ بغاوت میں ماخوذ ہونے کے سبب شاہجہاں اس کے قتل کا حکم صادر کر چکا تھا کہ داراشکوہ کی سفارش پر اس کی جان بخشی ہوئی۔ اس وقت ملک جیون نے داراشکوہ کے قدموں پر سر رکھ کر یہ کہا تھا کہ وہ تمام عمر اس کا غلام رہے گا۔ اور اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کریگا۔ دارا اشکوہ کا یہ فیصلہ قرین مصلحت اور تقاضائے وقت تھا۔ اس نے ملک جیون کی امداد کے بارے میں جو قیاس کیا تھا وہ اس میں بجا طور پر حق بجانب تھا۔ بعض مورخین نے اسے داراشکوہ کی بد تدبیری اور غامبے یقینی پر محمول جابے۔ یہیں ٹنڈے دل سے سوچا جائے تو اس کسمپرسی کی حالت میں وہ اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا جبکہ اس کی رفیقہ حیات موت و زلیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ چنانچہ ملک جیون کے علاقے کو جاتے ہوئے نادرہ بیگم اس جہان فانی سے کوچ کر گئی اسے داراشکوہ اس ناگہانی صدمے کی تاب نہ لا سکا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ تقدیر، نذیر پر غالب آچکی تھی۔ نادرہ بیگم کی لاش سامنے پڑی تھی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سوچوں کے اٹھارہ جزیروں میں گم تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ نادرہ بیگم نے داراشکوہ کی رفاقت میں جن مشکلات اور مصائب کا خذہ پیشانی سے سامنا کیا، شاید ہی مغل شاہزادوں میں سے کسی نے ایسی جرات صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہو۔ مسلسل سفر کی صعوبتیں، جنگل و صحرا کی وسعتیں، فتنیم کا خوف، پنجاب، ملتان، بھکر، سندھ اور بلوچستان تک خانہ بدوش زندگی، مہلا شہنشاہ اکبر

کی پڑ پوتی نے ایسی زندگی کا ہے کو دکھی ہوگی! لیکن جو کچھ خدا دکھائے، ناچار دیکھنا کے مصداق اس نے حق رفاقت ادا کر دیا۔ دارا شکوہ بھی اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ نادرہ بیگم کی وصیت تھی کہ اس کی قبر ارض ہندوستان میں کی جائے۔ چنانچہ لاش کو ملک جیون کے گھر لایا گیا اور آخری تمنا کی تکمیل کی خاطر دارا نے لاش کو اپنے ۷ جانثاروں کے ساتھ گل محمدی سرکردگی میں لاہور روانہ کیا جہاں اُسے حضرت میا منیر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نیرنگی روزگار کا یہ ایک اور کچھ کا تھا کہ دارا شکوہ اپنی محبوب رفیقہ حیات کی تجہیز و تکفین میں بھی شامل نہ ہو سکا۔ دارا شکوہ مصائب و آلام کے ہاتھوں محصور ہو چکا تھا۔ تین دن تک نادرہ بیگم کا سوگ منانے کے بعد ملک جیون کے گھر سے نکلا تا کہ قندھار کی طرف چلا جائے۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ملک جیون کی فوج نے آیا۔ دارا شکوہ ملک کا ستایا ہوا کیا مزاحمت کر سکتا تھا۔ البتہ اس کے بیٹے سپہر شکوہ کی رگوں میں تیموری خون نے جوش مارا۔ اس نے حتی المقدور مقابلہ کیا لیکن جلد ہی باپ کے ساتھ گرفتار ہوا۔ جس کے حکم سے ایک دن ملک جیون کی زنجیریں کھولی گئی تھیں، اب وہ اور اس کا بیٹا ملک جیون کے حکم سے پابہ زنجیر تھے۔ تاریخ اپنے آپ کو معکوس سی طور پر دہرا رہی تھی۔

۹ جون ۱۶۵۹ء کو دارا شکوہ، اس کا بیٹا سپہر شکوہ اور اس کی دولت کیوں کو قیدی بن کر بہادر خان اور ملک جیون سونے دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں بے سکہ بھی آلا۔ اس قافلے کا دہلی میں بڑی شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ دو ماہ مسلسل سفر کے بعد یہ مختصر سا لٹا پٹا کارواں ۲۳ اگست ۱۶۵۹ء کو دارالسلطنت دہلی پہنچا۔ باپ بیٹا دونوں نذر بیگ کے سپرد کر دیئے گئے یہ شخص اورنگ زیب کا غلام تھا اور بطور جلا و خصوصی مقرر تھا۔ نہایت ظالم، مکروہ شکل اور پرلے درجے کا بے رحم تھا۔ نذر بیگ نے دونوں قیدیوں کو دہلی کے جنوب میں نین میں کے فاصلے پر خواص پورہ کے قلعہ میں بند کر دیا۔

۲۹ اگست بروز منگل اورنگ زیب نے حکم دیا کہ دارا شکوہ اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کو شہر دہلی کے کوچہ و بازار میں قیدیوں کی حالت میں پھرایا جائے۔ تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور پھر کسی کو سر

اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ دارا شکوہ کی تشبیہ کا ایسا دردناک نظارہ اس سے پہلے چشم فلک نے نہ دیکھا ہوگا۔ تاج و تخت کے لیے تغلقوں، فلجیوں اور مغلوں نے کتنے خون بہا لیکن جس ذلت و رسوائی کا سامنا موت سے پہلے دارا شکوہ کو کرنا پڑا۔ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ دارا کو بیٹے کے ساتھ ایک بوڑھی خارش زدہ ہتھنی پر سوار کیا گیا۔ ہود بغیر چھت کے تھا۔ ہتھنی کو مزید کرہیہ المنظر بنانے کے لیے اس کے جسم پر مٹی اور راکھ ل دی گئی۔ دونوں قیدیوں کے دست و پا آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جلوس کی قیادت بہادر خان کر رہا تھا جبکہ ملک جیون کے سپاہیوں نے ارد گرد گھیر ڈالا ہوا تھا۔ زندانیوں کا حلیہ اور لباس کہنہ درس عبرت فراہم کر رہا تھا۔ دارا کے جسم پر مہینوں کے سفر کی خاک اٹی ہوئی تھی۔ بال بڑھے ہوئے اور پریشان تھے۔ کپڑوں کی پکنائش اور گندگی قیدیوں کی زبوں حالی پر چلی کھا رہی تھی۔ چہرے کسی بھیانک انجام کے خیال سے افسردہ اور بے نور تھے۔ سڑوں پر کالی بگڑیاں ماتم کی علامت تھیں۔ دونوں چپ چاپ، سر نہ پوڑائے اپنی منزل کی طرف ناچار پڑھ رہے تھے۔ یہ جلوس شہر دہلی میں لاہوری دروازے سے داخل ہوا اور چاندنی چوک، بازار سعد اللہ خان سے ہوتا ہوا قلعہ سے باغ حضرت آباد تک گیا۔ دہلی کے لوگ جلوس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے امدے پڑتے تھے۔ دارا کے دوست اور دشمن سبھی رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ اگست کے سورج کی حدت، تپتی ہوئی دوپہر اور شہر دہلی کے دیکھے بھالے کوچہ بازار، دونوں باپ بیٹا آنکھیں بند کئے موت کے جزیرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ڈاکٹر برنیے جو اس جلوس کا مینی شاید ہے لکھتا ہے کہ لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔ ان میں بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ جلوس رواں دواں تھا کہ ایک نامعلوم آواز نے دارا کو چونکادیا۔ اس دوران پہلی مرتبہ دارا شکوہ نے سر اٹھایا اور آواز کی جانب متوجہ ہوا۔ ایک مانگے والا کہہ رہا تھا۔ اے دارا! میں آج تک تمہارے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا لیکن آج میں جانتا ہوں کہ تو بے بس اور خالی ہاتھ ہے۔ تو مجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ سوالی کے یہ الفاظ دارا کے دل پر تشترکی طرح لگے۔ دارا کے دادو پیش کے چہرے زباں زد خاص و عام تھے۔

میر رضی دانش کو ایک شعر کے عوض ایک لاکھ اشرفی انعام دے دی تھی۔ کوئی گھر ہو گا کہ اس کے جو در سخا سے محروم ہوگا۔ وہ مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر حاجت روائی کرتا۔ لیکن آج فقیر کے بول نے دارا کے سینہ میں آگ لگا دی۔ چشم زدن میں دارا نے اپنے کندھے سے میلی اور بوسیدہ کشمیری شال اتاری اور سوالی کی طرف پھینک دی۔ یوں مرنے سے قبل خود خالی ہاتھ ہونے کے باوجود دارا کی غیرت نے فقیر کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا۔

جلوس کی کیفیت اور لوگوں کے رد عمل سے پرچہ نویسوں نے اورنگ زیب کو آگاہ کیا۔ اورنگ زیب نے محسوس کیا کہ لوگوں کی سہار دیاں کہیں اس کے لیے مشکلات کا سبب نہ بنیں۔ اس لیے دارا کے قضیے کو جلد از جلد نپٹانا ضروری ہے چنانچہ اسی رات دربار میں خاص مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا۔ بعض امراء کا خیال تھا کہ فی الحال دارا کو قید میں رکھا جائے اور آخری فیصلہ کسی مناسب وقت پر کیا جائے۔ خصوصاً دانشمند خان نے دارا کو بچانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن بہادر خان، شالستہ خان، حکیم داؤد (مقرب خان) اور دیگر امرائے دربار نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ سب نے قتل کرنے کی حمایت کی۔ آخر کار اورنگ زیب کی بہن روشن آرا بیگم نے جو شاہجہان کے دربار میں اس کی وکیل اور سفیر بھی تھی اورنگ زیب کو قتل دارا شکوہ کے لیے آمادہ کر لیا اور اس کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اسی رات دارا شکوہ نے اورنگ زیب کو ایک خط لکھا جس میں رحم کی اپیل کی گئی تھی اسے اورنگ زیب نے اسی خط کی پشت پر قرآن کی ایک آیت لکھ کر خط واپس کر دیا۔ ۲

۱۔ خط کا متن یہ ہے

بھائی صاحب من۔ بادشاہ من!

خیال بادشاہی اصلاً دردن نمازہ۔ بیٹا و فرزند انشا مبارک و قدر کشتن من بخاطر مبارک ناحق است۔ اگر یک حویلی قابل سکونت و کینز کے از کینزان مخصوص ما بر لے خدمت عنایت شود۔ بگوشہ عافیت در دعائے آن صاحب اشتغال نمایم۔

۲۔ الان وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔

منقول از نسخہ قلمی متحف برطانیہ اور نیٹیل ایڈیشن نمبر ۱۸۸۸ و تخریقات عالمگیری مملوک کتب خانہ دارالعلوم ندوہ بکھنو ۳۴۵ (بحوالہ رقیات عالمگیر مرتبہ شجیب اشرف ندوی) ص ۳۳۰

چنانچہ شرعی جواز کے لیے علمائے سلطنت سے رجوع کیا گیا۔ علمائے وقت نے دارا  
کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا اور حکم میں لکھا کہ "دین کی حفاظت اور ملک کی خیر خواہی کیلئے  
بادشاہ ضروری سمجھتا ہے کہ دارا شکوہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے۔"

اسی شام اورنگ زیب نے نذر بیگ غلام کو حکم دیا کہ وہ دارا شکوہ کا سر کاٹ لائے۔  
اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کو اس سے الگ کر کے قید میں رکھے۔ اس غرض کی تکمیل کیلئے  
شفیع خان کو بھی ساتھ رکھا گیا۔ رات کو جب دونوں باپ بیٹا ابلے ہوئے چاول اور ساگ  
پکا رہے تھے تو دونوں جلا دزدانیوں کی کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر دارا شکوہ  
آنے والے واقعات کو جان گیا۔ نذر بیگ نے سپہر شکوہ کو دارا کے سینہ سے الگ کیا جو موت کے  
نصو سے باپ لپٹ گیا تھا۔ دارا شکوہ نے اس کے آنسو پونچھے اور غلاموں سے التجا کی  
کہ وہ اورنگ زیب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو مجھ سے الگ نہ کرے۔ نذر بیگ نے صاف  
انکار کر دیا بلکہ نہایت گستاخانہ انداز میں دارا شکوہ کی سرزنش کی۔ سپہر شکوہ کو ساتھ  
والی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ بیٹے کی دلخراش چیخیں دارا کے کانوں سے ٹکر رہی تھیں۔  
جب دارا کو یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھانی  
وہ بے دست و پا تھا، تاہم اپنے تکیے کے اندر سے قلم تراش نکالا اور غلام پر حملہ کر دیا۔  
شاید یہ بھٹنے چراغ کی آخری بھڑک تھی۔ جلد ہی وہ غلاموں کی گرفت میں آ گیا۔ کہتے  
ہیں کہ وہ آخری دم تک ہاتھ پائی میں مگوں سے وار کرتا اور لڑتا رہا۔ لیکن تابہ کے۔  
نذر بیگ کی تلوار نے شہزادہ محمد دارا شکوہ کا سر قلم کر دیا۔ تاریخ شجاعی کا مصنف  
لکھتا ہے کہ — اس گنہگار نے سن ہے کہ شہادت کے بعد دارا کے سر نے کلمہ شہادت  
دہرایا۔ صاحب مفتح التواریخ نے یہ تاریخ نکالی ہے۔ اے

عقل پامی " ادب، گرفت و بگفت

"قتل داراشکوہ" شد تاریخ

۱۰۶۷ء ۱۰۶۹ء

منفی غلام سرور لکھتا ہے :-

"قصہ شہادت لے زبان زد خاص و عام است کہ از دست اورنگزیب

عالمگیر برادر خود بہ قتل رسیدہ . شاہ عالمگیر صرف بہ طمع فرماں روائی

ہندوستان و تخت نشینی آن گوہر دریائے وحدت بشکست،"

شاہ دارا اولی پاک سعید

شاہ اسلام بادشاہ سعید شام

شد بہ جنت چوں زیں جہاں گیر

خواجہ محبتی و گوہر گیر

شاہ دینی شہید عالمگیر

تاریخ ہے شد ز دنیا چو در بہشت بریں

ہست تاریخ رحلت آن شاہ

ایضاً شاہ داراشکوہ سکندر فر

ہست در ویش منقی سالش

باز گو سال رحلتش سرور

اگلے دن یعنی ۳ اگست کو اورنگ زیب نے اس عرض کے لیے دربار منعقد کیا کہ ان لوگوں

کو انعامات سے نوازا جائے۔ جنہوں نے داراشکوہ کو گرفتار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا

ملک جیون اپنے افغان سپاہیوں کے ساتھ داراشکوہ کے ساتھ فداری عہدے وفاقی اور احسان

ناشناسی کے عوض اورنگ زیب سے انعام و خلعت لینے جا رہا تھا کہ وہ دہلی کے شہریوں کی آتش

انتقام کا نشانہ بنا جاوے اور لوگوں کے ہاتھ فوج شاہی کے خوف سے نہ اٹھ سکے تھے۔

نفرت کی آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی۔ آج ملک جیون کی خود نمائی دیکھ کر لوگ بھڑک اٹھے۔

شاہی فوج کے ایک افسر ہیبت خان نے لوگوں کو غیرت کا تازیانہ لگایا۔ چنانچہ ایک انبوہ کثیر

لے بعد، ہیبت خان کی سازش کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اورنگ زیب کے حکم سے اس کے جسم کو

چیر کر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

ملک جیون اور اس کے لشکریوں پر لٹ پڑا۔

خانی خان لکھتا ہے کہ ملک جیون کے بہت سے سپاہی پتھروں کی بارش سے زخمی ہو گئے۔ گھروں کی چھتوں سے عورتوں نے انسانوں کی گندگی لشکریوں کے سروں پر پھینکی ہے ملک جیون کی محسن کشتی کھلی نفرت کا نشان بن گئی۔ داراشکوہ کی حمایت میں ہر طبقہ کے لوگوں نے ملک جیون پر آوازے کئے اور طعن و تشنیع کی۔ بعض شہریوں نے چاقوؤں اور خنجروں سے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ اس قدر غل پڑا کہ اگر شاہی فوج ملک جیون کی مدد کو نہ آجاتی تو شاید وہ انعام لینے دربار تک زندہ و سلامت نہ پہنچ سکتا۔ بہر حال ملک جیون انعامات سے سرفراز ہوا اور نمایاں کارگزاری کے صلہ میں "بختیار خان" کا خطاب پایا۔ لیکن یہ اعزاز اسے زیادہ دنوں تک نصیب نہ ہو سکا۔ جب یہ اپنی جاگیر کو واپس جا رہا تھا تو راستے میں اسے قتل کر دیا گیا۔ مغل دربار سے جو دولت محسن کشتی کے عوض حاصل ہوئی تھی وہ اس کے گھر تک بھی ساتھ نہ دے سکی۔ حملہ آوروں نے سب کچھ لوٹ کر غارت کر دیا۔ فاعتر و یا اوطی الا بصاس۔

۳۱ اگست ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب نے داراشکوہ کا کٹا ہوا سر ملا حظہ کیا۔ جب سر پیش کیا گیا تو اورنگ زیب نے دھلا کر اطمینان کر لیا۔ پھر حکم دیا کہ دارا کی نعش کو شہر کے گلی کوچوں میں بغرض تشہیر پھرا جا جائے تاکہ دارا کے حمایتی اپنی آنکھوں سے اس کا انجام دیکھ لیں اور دبدبہ سلطانی کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اورنگ زیب نے دارا کی نعش کو دیکھنے سے انکار کر دیا اور کہا — "آہ اس بد بخت، دین سے گمراہ کا چہرہ میں نے زندگی میں دیکھنا پسند نہ کیا اور نہ اب کروں گا"۔

اورنگ زیب کے حکم سے داراشکوہ کا سر نعش سے جوڑ دیا گیا اور رات کے اندھیرے

۱۷۵۹ء - منتخب اللباب حصہ سوم - اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ص ۹۳

۱۷۵۹ء - قانجو - داراشکوہ بزبان انگریزی۔



میں مقبرہ ہمالیوں میں اس کہنہ لباس میں دفن کر دیا گیا۔ اے قبر کی شناخت کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا اور اسے کچا رہنے دیا۔ ایک روایت کے مطابق داراشکوہ کی قبر، اکبر بادشاہ کے دو چھوٹے بچوں کی قبروں سے ملحق تھی۔ اب امتداد زمانہ سے تمام آثار مٹ چکے ہیں۔ ۲

۳۔ تادوست رسیدیم چو از خویش گزشتیم

از خویش گزشتن چہ مبارک سفرے بود (داراشکوہ)

آل تیمور کے شہزادوں میں داراشکوہ کا نام اس حیثیت سے کہ اس نے نیاے رسم و ادب سے خراج تحسین حاصل کیا، سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ وہ ایک کثیر التصانیف مصنف تھا۔ علمی ذوق و شوق اور تلاش و جستجو کا یہ عالم تھا کہ مروجہ علوم و فنون اور ہر مذہب و ملت کی کتابیں اس کے

۴۔ محمد صالح کنبوہ "عمل صالح" جلد سوم ص ۲۶۲ میں لکھتا ہے۔

"چوں آن زیب مجموعہ عزت کہ موج خویش خاک را در چمن لالہ گرفتہ چہرہ بخون شہادت رنگین ساختہ مانند گل با سینہ صد چاک از چمن دنیا رحلت نمود با ہماں لباسی کہ در برداشت آوردہ در روضہ حضرت جنت آشیانی ہمالیوں بادشاہ مدفون ساختند"

۵۔ داراشکوہ بزبان انگریزی از معین الدین ص ۸۷

داراشکوہ کے قتل کے بارے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے۔

ماثر عالمگیری صفحہ نمبر ۴، عالمگیر نامہ صفحہ ۳۶-۳۷-۳۸۔ جادوناغہ سرکار، اورنگ زیب ص ۹۹-۱۰۰

تاریخ شاہ شجاع میر محمد معصوم منتخب اللباب خانی خان۔

ماثر عالمگیری کے مطابق دارا کا قتل ۲۱ ذوالحجہ جمعرات کو ہوا۔ عمل صالح کا مصنف ۲۲ ذوالحجہ ۱۰۶۹ھ

بتاتا ہے (صفحہ نمبر ۲۶۱) حافی خان لکھتا ہے کہ ذوالحجہ کے آخری روز یعنی ۲۹ کو قتل ہوا۔ مفتی غلام محمد

مصنف خزینۃ الاصفیاء یکم محرم ۱۰۷۰ھ لکھتا ہے۔

ایچ۔ بلوچمن ۲۹ ذوالحجہ کو درست قرار دیتا ہے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں ایک مضمون میں لکھتا ہے کہ

۲۹ ذوالحجہ یعنی آخری دن ۱۰۶۹ھ مطابق حساب جمعرات ہوتا ہے اور سن عیسوی کے مطابق ۷ ستمبر ۱۶۵۹ء کا دن تھا۔

زیر مطالعہ رہتی تھیں نکتوں اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بیشتر تصانیف اسی موضوع کے مختلف النوع مسائل کی گرہ کشائی کرتی ہیں۔ شہزادے نے ابتدائے عمر ہی میں صوفیانہ ماحول کو اپنا لیا تھا۔ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے اسے بے حد عقیدت تھی۔ کثرت مطالعہ اور تلاشِ حقیقت کی وجہ سے وہ نہایت وسیع المشرب واقع ہوا تھا۔ صوفیائے اسلام کے تمام سلسلوں کا رمز شناس تھا۔ اس کی تصنیفات میں موقع و محل کے مطابق قرآن شریف کی آیات اور احادیث کے حوالے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میاں بیگم اور علماء کے اقوال کی تحقیق اور شرح پر وہ عالمانہ عبور رکھتا تھا۔ اپنی زندگی میں وہ کئی بزرگ ہستیوں سے ملا اور ان سے فیض حاصل کیا۔ ان میں حضرت میاں میر جنہیں وہ میان بیگم کے نام سے مخاطب کرتا تھا سرفہرست تھے۔ حضرت ملا شاہ قادری جو حضرت میان بیگم کے خلیفہ تھے۔ داراشکوہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور داراشکوہ کو جو عقیدت حضرت عوث الاعظم عبد القادر جیلانیؒ اور حضرت ملا شاہ پیر و مرشد سے تھی، اس نسبت سے اپنا تخلص قادری پسند کیا اور سلوک و معرفت کے حصول کے لیے سلسلہ قادریہ میں شامل ہوا۔ ان کے علاوہ آزاد خیال علماء اور صوفیاء کا ایک گروہ جس میں سید شہید، ملا محسن فانی، شیخ محب اللہ اور شاہ دلربا تھے اس کے ہم جلس تھے چند رجحان پذیر المتخلص برہمن، بھوپت رائے، بیغم بیراگی اور ہر کرن وغیرہ اس کے درباری شاعر تھے۔ اور اس کے ہم خیال بھی تھے۔

### تصانیف :-

یہاں داراشکوہ کے علمی کارناموں کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے رجحانات نقد علم اور جستجوئے حق کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکے۔

### سفینۃ الاولیاء

داراشکوہ کی یہ پہلی علمی کاوش ہے جسے ۲۵ سال کی عمر میں ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۴۹ھ کو

مکمل کیا گیا۔ یہ اولیائے اسلام کے تمام سلسلوں کا مستند تذکرہ ہے جس میں رسول اکرم صلعم سے لیکر حضرت بی بی جمال خاتونؑ (جو حضرت میا نمیرؑ کی ہمیشہ تھیں اور اس وقت بقیہ حیات تھیں) تک کے سوانح بزبان فارسی لکھے گئے ہیں۔ ان میں دورِ آخر کے بعض حضرات سے داراشکوہ ذاتی طور پر ملاقات کر چکا تھا۔ بعضوں کے حالات ثقفیوں سے دریافت کر کے لکھے۔ اگرچہ اس سے قبل اس موضوع پر نفعات الانس، کشف المحجوب، اور طبقات سلطانی وغیرہ تذکرے موجود تھے مگر ان سب میں مختلف سلسلہ ہائے تصوف میں تسلسل مفقود تھا۔ سفینۃ الاولیاء کے مقدمہ میں سبب تالیف کا ذکر کیا ہے:-

”اس فقیر حقیر محمد داراشکوہ جنفی قادری کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مشائخ

کے حالات بقیہ سنین ولادت و رحلت کیوں نہ ضبطِ تحریر میں لائے جائیں

نیز ان مشائخ کے مزارات عالیہ کا ذکر بھی اسی ضمن میں آجائے،“ لے

مقدمہ میں وجہ تالیف پر مزید گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہے:-

”اس عاجز فقیر کو صوفیہ کے مقدس گروہ سے ایک خاص ارادت ہے۔

ان کا ذکر خیر میرا دن رات کا مشغلہ ہے۔ دوسرے تمام اشغال اس کے مقابلے

میں ہیچ معلوم ہوتے ہیں فقراء کا یہ خادم اپنے آپ کو اولیائے کرام کے پرستاروں

اور ارادت مندوں کی فہرست میں شامل سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس

کتاب میں ان کے حالات و واقعات کا اندراج خیر و برکت اور اپنی سعادت

مندی کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ وہ شخص جسے محبوب کا وصال نصیب نہیں ہوتا

وہ ذکرِ محبوب ہی سے اپنے دل کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے لے

اس تذکرے میں بشمول رسول اکرم صلعم و اہل بیت کرامؑ ۴۱۱ اولیائے کبار کے حالات بڑی چھان

پھٹک کے بعد یکجا درج کئے گئے ہیں۔ کتاب کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے اور سوانحیات کا

۱ :- سفینۃ الاولیاء۔ محمد داراشکوہ اردو ترجمہ و ارث کامل صفحہ ۲۲

۲ :- اردو ترجمہ سفینۃ الاولیاء، وارث کامل۔

بہ ترتیب سنین اہتمام کیا گیا ہے :

پہلا باب :- اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، دو ازادہ امام کے حالات کے علاوہ آپ کے بعض اصحاب اور فقہ اسلام کے چاروں بانیوں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔

دوسرا باب :- سلسلہ عالیہ قادریہ (جو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے منسوب ہے) کے مشہور بزرگان دین کے حالات پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب :- سلسلہ شریفیہ خواجگان بزرگوار کے بارے میں ہے۔

چوتھا باب :- اولیائے سلسلہ چشتیہ کے متعلق ہے۔

پانچواں باب :- کبروی سلسلہ کے بزرگوں پر مشتمل ہے۔

چھٹا باب :- سہروردیہ بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ساتواں باب :- اس میں ان مشائخ کا تذکرہ ہے جن کا سلسلہ معلوم نہیں ہو سکا۔

آٹھواں باب :- اس میں خدارسیدہ خوانین کا ذکر خیر ہے۔

سفینتہ الاولیاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ ابوحنیفہؒ کا مقلد اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا بڑا معتقد تھا۔ چنانچہ قادریہ سلسلہ کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں اس سلسلہ کے حالات کے اہتمام پر لکھا ہے :-

”پہلی رات گویا اس سرپا تحقیر فقیر اور ادنیٰ ترین مرید نے حضرت غوث الاعظمؒ کا تذکرہ سپرد قلم کرنا شروع کیا تو فی الحقیقت کچھ ایسا محسوس ہوا کہ میں حضرت موسیٰ کاظمؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزارات کا طواف کر رہا ہوں۔ گویا اس کار نمایاں کے طفیل یہ شرف اس احقر کو حاصل ہوا اس سے مجھے یقین ہو گیا اور میرا دل مسرور ہوا کہ انشاء اللہ میری یہ کوشش مشکور ہوگی۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر یہ ادا کیا۔“

سفینتہ الاولیاء کی زبان سلیس اور رواں دواں فارسی کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک تذکرہ کیلئے

مادہ اور عام فہم زبان ہی مناسب رہتی ہے۔ البتہ داراشکوہ اسی کتاب میں ایک جگہ کہتا ہے کہ بعض حالتوں میں روزمرہ کی زبان کے بجائے مولانا عبدالرحمان جامی کی فصیح و بلیغ زبان اور طرز بیان کا تتبع کیا گیا ہے۔

”اگرچہ عبارتیں کتاب راست بر راست است و در عبارت آرائی مقید نہ شدہ و فارسی سادہ عام فہم نوشتہ لیکن بعض جہاں اقتدا بہ عبارت لغات الانس قطب الاولیاء، قدوة الاتقیاء، نیز آسمان عرفان، خورشید فلک ایقان حضرت مولانا نور امامت الدین عبدالرحمان جامی قدس سرہ، الشائے کہ کمال فصاحت و مطنانت دارد و البشار، استاد خود می داند، در زبان روزمرہ خود را نیز ترک ساختہ،“

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ مولانا جامی کے اسلوب سے بڑا متاثر تھا۔ الشارپراز کی میں آپ کو استاد تسلیم کرتا ہے نیز اس میں لغات الانس کی زبان، طرز بیان اور مضامین سے بھی استفادہ حاصل کرنے کا اعتراف ہے اس تذکرے کی نہ صرف تحقیقی بلکہ ادبی حیثیت بھی مسلم ہے۔ تمام تذکرے میں جا بجا مناسب اشعار اور ان کا صحیح انتخاب داراشکوہ کے ادبی ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔ نیز قرآن و حدیث سے آیات کے حوالے اس کی وسیع مذہبی معلومات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس تذکرہ کی قبولیت اور پسندیدگی کا یہ حال ہے کہ یہ متعدد بار چھپ چکا ہے اور جتنے اولیاء

- ۱۔ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۳۷۴
- ۲۔ بانکی پور لائبریری میں ایک نسخہ خطی نمبر ۳۷۴ موجود ہے جس پر داراشکوہ کے دستخط بھی ہیں۔ نیز سال ۱۰۵۰ھ ثبت ہے اس کے علاوہ حاشیے پر بعض اضافے بھی درج ہیں۔
- ۳۔ سب سے پہلے یہ کتاب ۱۸۴۲ء کو لکھنؤ میں چھپی۔
- ۴۔ مسٹر بیل نے اس کتاب کو مطبع مدرسہ آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں شائع کیا۔
- ۵۔ نول کشور کے اہتمام سے ۱۸۸۴ء میں اسے طبع کیا گیا۔
- ۶۔ ۱۹۰۰ء میں اس کا ایک ایڈیشن کانپور سے بھی چھپا ہے۔
- ۷۔ اس کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں۔ ایک مولوی آرٹ کمال نے لاہور میں مکمل کیا ہے۔
- ۸۔ ایران میں اسے بہ تصحیح سید محمد رضا جیلانی تاشقینی تہران طبع کیا گیا۔

کے تذکرے اس کے بعد لکھے گئے، ان سب مصنفین نے اسے ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

## سکینتہ الاولیاء :

یہ داراشکوہ کی دوسری تصنیف ہے جو عمر کے اٹھائیسویں سال ۱۰۵۲ھ میں لکھی گئی۔ اس میں ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء تک مختلف اصناف کے جاتے رہے۔ اسے اس کتاب کو بھی آٹھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں حمد و ثناء، نعت رسول صلعم اور توصیف اصحاب کے بعد سکینتہ الاولیاء کے لکھنے کی تحریک کے بارے میں بیان ہے۔ نیز پیر طریقت کی ضرورت و اہمیت کی بحث بھی ہے۔ باب دوم میں سلسلہ قادریہ کی فضیلت کے بیان کے علاوہ دوسرے اولیائے اللہ کے سلسلوں کا مختصر تعارف ہے۔

باب سوم سے باب ششم تک حضرت میا نیر کے تفصیلی سوانحیات تحریر کئے گئے ہیں۔ باب ہفتم میں ان مریدان باسعادت کا تذکرہ ہے جو حضرت میا نیر کی زندگی میں فوت ہوئے اور آخری باب میں ان مریدان باصفا کا ذکر ہے جو حضرت میا نیر کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے۔

درحقیقت سکینتہ الاولیاء اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت ملا شاہ بدخشی (مرشد داراشکوہ) کے احوال و فضائل کا مجموعہ ہے۔ ایک مصنف نے سکینتہ الاولیاء میں سرد شہید کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں سرد کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ حضرت میا نجوم سے دارا کا تعلق خاطر بچپن سے تھا۔ دارا کا دانا شہنشاہ جہانگیر بھی حضرت میا نجوم سے بڑی عقیدت رکھتا تھا جہانگیر نے ملاقات کی غرض سے آپ کو کئی رقعات تحریر کئے۔ ایک رقعہ کے آخری الفاظ

اے سکینتہ الاولیاء اردو ترجمہ مقبول بیگ بدخشی صراط

اے داراشکوہ بزبان انگریزی۔ معین الدین ص ۱۱

یہ ہیں۔

”نوشتہ جہانگیر بن اکبر شاہ حضرت پیردشتگیر شیخ میرا کے حضور پہنچے،“

ان رفعات میں جہانگیر نے اپنی نیازمندی اور عقیدت ظاہر کرنے کے بعد توجہ کی درخواست کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بالمشافہ گفتگو بھی ہوئی جس میں حضرت میاں نجو نے بادشاہ کو پند نصیحت اس خوش اسلوبی اور حکمت کی کہ جہانگیر کہنے لگا کہ سلطنت، جاہ و حشمت اور جو کچھ میرے پاس ہے، میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے اگر آپ توجہ فرمائیں تو دنیا کے علائق کو ترک کر دوں۔ اسی طرح شاہ جہاں کسی بار حضرت میاں میرا کے حجرے میں حاضر ہوا ان صحبتوں میں دارا شکوہ بھی موجود ہوتا۔ ایک دفعہ دارا شکوہ کو بیماری لاحق ہوئی جو لا علاج ثابت ہوئی شاہی اطباء عاجز آ گئے۔ شاہ جہان اپنے بیٹے کو حضرت میاں نجو کے پاس لے گیا اور دُعا کی درخواست کی۔ حضرت نے مٹی کا پیالہ جس میں وہ خود پانی پیا کرتے تھے۔ پانی سے بھرا، دُعا پڑھی اور دارا شکوہ کو پلوادیا ایک ہفتہ کے بعد بیماری شفا کے ساتھ عطا ہوئی۔

دارا شکوہ دوسری دفعہ اپنے باپ شاہ جہان کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لکھتا ہے،

”جب بادشاہ اور ان کے ہمراہی حضرت کے بالاخانے کی طرف آئے تو اس فقیر

(دارا شکوہ) نے جوتا اتار لیا اور اس خانہ مبارک کو وادی مقدس سمجھ کر سر نہریا

آیا۔ بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے حضرت لونگ چباتے اور پھینک دیتے۔ یہ

فقیر بڑے اخلاص اور ارادت سے انہیں اکٹھا کر کے کھا لیتا۔ اس وقت

سے فقیر کے دل میں دنیا سے بے تعلقی اور حضرت میاں نجو کے اس گروہ

کے ساتھ اخلاص بڑھتا گیا۔ انہی برکت سے دل میں عظیم اثرات پیدا ہوئے

اور جو کچھ مجھے پانا تھا پالیا۔ اسی برکت سے زبان کو تبت بیان حاصل ہوئی اور

طبیعت موزوں ہو گئی۔ میں امیدوار ہوں کہ قیامت کے دن ان کے گداویں میں

شمار کیا جاؤں،“ لے

لے اردو ترجمہ بدخشانی سکینتہ الاولیاء ص ۴۷

حضرت میانجو کے ساتھ خاص تعلقات اور اخلاص کا ذکر داراشکوہ اپنی تصانیف میں بار بار کرتا اور مسرور ہوتا ہے۔ حضرت بھی اس کے اخلاص اور عقیدت کو بہ نظر شفقت دیکھتے اور عنایات فرماتے۔ یہاں تک کہ داراشکوہ کے ایک ملازم نے جب آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی تو اسے اپنے پاس جگہ لے کر یہ مصرعہ دہرایا: ع "اے گل تو خرسندم، تو بولے کسے داری،" ملازم نے توجہ کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "ہمیشہ اپنے آقا کی صورت سامنے رکھ کر مراقبہ کیا کرو،" ایک دفعہ بطور خاص تسبیح لے کر داراشکوہ کے لیے آپ نے وظیفہ پڑھا۔ حالانکہ آپ تسبیح ہاتھ میں نہیں رکھا کرتے تھے۔ میان خواجہ بہاری کے استفسار پر فرمایا کہ داراشکوہ بیمار ہے۔

سکینتہ الاولیاء حضرت میانمیرج کے حالات کا بہترین تذکرہ ہے داراشکوہ نے حتی الامکان وہ سب حالات بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں جو ایک سوانح عمری کی بنیاد بنتے ہیں۔ داراشکوہ چونکہ آپ کے سلسلہ تصوف سے وابستہ ہے اور آپ کا ہم عصر بھی تھا اس لیے یہ تذکرہ مستند اور حرف آخر کا حکم رکھتا ہے سکینتہ الاولیاء میں رقمطراز ہے۔

"احوال و خوارق این طائفہ را و نسبت ایشان بامشاخ متقدمین بے کم و زیادہ، بر آنچه خود مطلع گشتم و دیدم و از عزیزان این سلسلہ شنیدہ بودم، نوشتہ بودم، نوشتہ و موسوم بہ سکینتہ الاولیاء گردانیدم" لے

سکینتہ الاولیاء میں حضرت میانمیرج کے بعد جو طویل ذکر ملتا ہے وہ ملاشاہ بدخشی کا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، آپ حضرت میانمیرج کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کے بعد انہوں نے ہی مریدان باصفا کو مشغول حق کیا داراشکوہ نے آپ کے ہاتھ پر طلب حق کے لیے بیعت کی تھی اور آپ کے ہمہ گیر اثرات کو بھی قبول کیا تھا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ اور حضرت ملاشاہ بدخشی کے تعلقات کا ذکر کیا جائے۔

لے بحوالہ اردو ترجمہ بدخشانی سکینتہ الاولیاء طبع درتہران ص ۷۰-۶



حضرت ملا شاہ کا نام شاہ محمد تھا اور میا نجو انہیں محمد شاہ پکارا کرتے تھے آپ کے اصحاب اور معتقدین "حضرت اخوند" کہہ کر خطاب کرتے۔ آپ کا لقب "لسان اللہ" تھا۔ ایک رباعی میں آپ نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

ے آنکس کہ ز راہ حق آگاہ است ملا شاہ است و عارف این راہ است

از تاثیر زبان او معلوم است کامروز ملقب بہ لسان اللہ است

آپ کے والد گرامی کا نام ملا عبدی تھا۔ جو موضع ارکسان کے رہنے والے تھے۔ یہ جگہ بدخشاں کے علاقہ روستاق کے پاس ہے۔ آپ نے علوم دینی کی تحصیل مکمل کی تھی۔ عبادت و ریاضت کی طرف ابتداء سے میلان تھا۔ آپ نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ اپنے وطن سے نکلے تو تین سال کشمیر میں رہے۔ اور پھر کسی شیخ کامل کی تلاش میں لاہور، آگرہ اور ہندوستان کے دوسروں شہروں کا سفر کیا۔ آخر طلب صیادق آپ کو لاہور لے آئی۔ حضرت میا نجو نے پورے تین سال تک توجہ نہ فرمائی۔ آخر التفات فرمایا۔ اور انہیں ذکر حق میں مشغول کیا۔

حضرت ملا شاہ نے ترک و تجرید اور زہد و ریاضت میں اتنی محنت کی کہ حضرت میا نجو کے تمام مریدوں سے سبقت لے گئے۔ ایک دن حضرت میا نجو نے فرمایا ملا شاہ! جو ریاضت تو نے کی ہے۔ مشائخ سابق میں سے کسی نے نہیں کی، داراشکوہ سکینتہ الاولیاء میں آپ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ اس وقت سلسلہ عالیہ قادریہ کو اور حضرت میا نجو کے طریقے کو ان کے وجود شریف سے زینت اور استقامت حاصل ہے ملا شاہ نے تین سال حضرت میا نجو کے زیر اثر ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ چنانچہ فقر و استغناء ترک و تجرید، توکل اور تسلیم و رضا میں کامل ہو گئے تھے۔ اسی لیے آپ کو حضرت میا نجو نے اپنی زندگی میں ہی بعض مریدوں کی تربیت سپرد کر دی تھی۔ موسم گرما میں آپ کشمیر چلے جاتے اور سردیوں میں لاہور قیام فرماتے۔ بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ تاریکی میں بیٹھے رہتے۔ کوئی خادم آپ کے پاس نہ ہوتا۔ آپ نے تمام عمر کسی بھی حالت میں نماز قضا نہیں کی۔ جس دم جو قادری مسلک کا طریقہ خاص ہے آپ سے بڑھ کر کسی نے نہ کیا ہوگا۔ ابتداءً ریاضت میں پورے سات سال، عشاء کی نماز سے

فجرت تک جس دم کرتے اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے۔ سکینتہ الاولیاء میں مذکور ہے :  
 ”حضرت ملا شاہ کی ریاضت یہ ہے، ۵۲ سالہ تک کہ تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔  
 رات دن میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی نہیں سوئے۔ اس کے متعلق میں نے سوال کیا تو  
 فرمایا: تیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے کہ ہم گھڑی بھر کو نہیں سوئے۔ اور ایک  
 دو سال ہوئے کہ ہم ٹانگیں دراز کرتے ہیں اور زمین پر لیٹ جاتے ہیں لیکن نیند  
 قطعاً نہیں آتی۔“

كُلُّ كُوْفٍ عَلٰی الْمَحَبِّ حَرَامٌ (نیند تو محب پر حرام ہوتی ہے)

دارا شکوہ نے اپنے پیر طریقت کے فضائل و مناقب، خوارقِ عادات اور کرامتوں کے بے شمار  
 واقعات بیان کئے ہیں۔

جب آپکو حضرت میاں نجوم کی طرف سے خرقہٴ خلافت مل گیا تو کشمیر میں مستقل سکونت  
 اختیار کر لی۔ چونکہ آپ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اس لیے کشمیر کے شدید فرقہ کے لوگ  
 آپکے مخالف ہو گئے اے اس کے باوجود آپ علی الاعلان اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے چنانچہ  
 آپکی توجہ اور فیوض و برکات کے سبب ہزاروں اہل بدعت تائب ہو گئے۔

آپ نے دارا شکوہ کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مریدانِ گروہ کو رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت  
 دیں۔ شہزادے نے اس ضمن میں قرآن شریف سے فال نکالی جو اس مقصد کے حق میں تھی۔

دارا شکوہ کی مجلس حضرت ملا شاہ سے متعدد بار ہوئی۔ کئی راتیں اپنے مرشد کی صحبت میں بسر  
 کیں۔ اس دوران رمز و سلوک اور حقیقت و معرفت کے رموز و نکات کی تشریحات کی جاتیں  
 دارا کی طبیعت میں استفسار کا مادہ بہت تھا اور یہ جستجو اسے تلاشِ حق کے لیے ہوا کرتی۔ حضرت  
 ملا شاہ نے بہت سے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا تھا ایک بار آپ نے دارا شکوہ سے فرمایا:-  
 تمہارا خدا ایک ہے اور اس خدا نے واحد تک ہم نے تمہیں پہنچایا ہے۔ کوئی اور خدا

نہیں جس تک دوسرے مشائخ تمہیں پہنچائیں گے،

ایک اور جگہ داراشکوہ سے فرمایا:-

”جو لوگ اس جگہ ہم سے وابستہ ہیں۔ ان سب کو ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں ہمارا طریقہ

یہ ہے کہ اصحاب سے گفتگو کو جاری رکھا جائے تاکہ سب کی اسناد درود درست ہے“

آپ داراشکوہ کا نام لے کر مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ ”نوجوان و آدمی زادہ“ کہہ کر ارشاد فرماتے

داراشکوہ سے محبت و خلوص کی وجہ سے آپ نے ایک خصوصی غزل لکھ کر داراشکوہ کو ارسال

فرمائی۔ ذیل میں غزل کا انتخاب درج ہے۔

اے بیخبر عالم راز نہبانِ دل روزے شود ترا کہ شوی ہم زبانِ دل

صاحبقرانِ اول و ثانی قرینِ چیت داراشکوہ ماشدہ، صاحبقرانِ دل

آخر زکائیات متاعِ دو کون را کرد او بدست خور متاعِ دکانِ دل

توفیق یافت صاحبِ دل شد ز علم نشاۃ خود نیک گشت واقف سود و زیانِ دل

حضرت ملا شاہ نے تصوف کے اسرار و رموز کی تشریح میں متعدد رسالے بھی تحریر کئے

تھے۔ آپ کے رقعات اور مکتوبات بھی موجود ہیں۔ داراشکوہ کے نام بعض رقعات بڑے

مفید اور دلچسپ تصوف سے بھرپور ہیں۔ ان میں ادبی شان بدرجہ اتم موجود ہے۔ اکثر

بر محل اشعار اور قرآنی آیات کے حوالوں نے ان کو اور وقیع بنا دیا ہے۔ صوفیاء اور اولیاء

کے اقوال کے بھی اکثر جگہ حوالے موجود ہیں۔

داراشکوہ اور اس کی بہن جہاں آراء بیگم کے نام خطوط اکثر پند و نصائح پر مبنی ہیں۔

انداز بیان مشفقانہ، مربیانہ اور حکیمانہ ہے۔ ایمان و توحید اور سلوک و معرفت

کے مقامات کا بیان سہل اور موثر ہے۔ توحید و جود سی کی تعلیم، عقل و شواہد کی روشنی

میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر رقعہ میں مہربان و استغنا کے ساتھ مسلسل سعی

کی تلقین ہے۔ بعض شکوک اور توہمات کا ازالہ دلائل و براہین کی روشنی میں کیا ہے

ان خطوط میں آغاز ”دولت دیدار نصیب“ سے کیا ہے۔  
 ذیل میں ملا شاہ کے رقعات سے مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ان موضوعات،  
 حقائق، وقائع، لطائف اور نکات کے متعلق کچھ معلوم ہو سکے نیز داراشکوہ کو سلوک و معرفت  
 کی تعلیم کے طریقے کا حال بھی واضح ہو سکے۔ اس کے علاوہ حضرت ملا شاہ کے معتقدات  
 اور صوفیانہ نظریات اور ان کی اساس کا علم بھی ہو جائے۔

ایک خواہ داراشکوہ کے نام اس طرح شروع ہوتا ہے :- (ترجمہ)  
 ”دولت دیدار نصیب! اُمید ہے کہ حق سبحانہ، و تعالیٰ اپنے آشنا کو اپنے سے  
 دُور نہیں رکھے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شَبْرًا فَقَدْ  
 تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ هَرْ وَ لَةَ“ (جو میری طرف ایک بالشت بھر آتا ہے میں  
 اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں)۔ پس اس کا دوڑنا کس مرتبے کا ہو گا۔ تسلی  
 رکھو کہ ایک بار پہچان لینے کے بعد نہ پہچاننا محال ہوتا ہے۔“  
 ”یک نفس بے اوبر آوردن خطاست“

ہر شخص کا دل اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح کے اس کے معلومات ہوتے ہیں چنانچہ  
 عالموں کا دل علم اور اس کے مطالب یعنی مسائل عالم سے عبارت ہے۔ زاہدوں کے  
 دل میں نہد، تقویٰ، خوف دوزخ، آرزوئے بہشت اور حصول مقصد پر عمل پیرا ہونے  
 کی تمنا ہوتی ہے۔ عارفوں کا دل یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ انہیں معلوم ہوا ہے اُسے  
 دیکھیں کہ کیا ہے۔ ”زبے نصیب“

”جب کسی صاحب شعور، جو قطرے کی مانند ہے کی نظر نا پید اکنار سمندر پر پڑتی  
 ہے تو وہ قطرے ہی میں متغیر کیوں رہے۔ جب تک اپنی ہستی سے واقف نہیں  
 وہ قطرہ ہی ہے۔ جب واقف ہو جاتا ہے تو قطرے کی قید سے خلاصی پالیتا ہے  
 اس کا جزوی علم کلی علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔“

”طلب کی انتہا سلوک ہے اور سلوک کی انتہا معرفت اور معرفت کی کوئی انتہا نہیں۔“  
 ”حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں لا محدود اور لا نہایت ہے اس سخن عالی کو سمجھنا  
 بڑی بات ہے۔“

”مبارک سفر، سفر باطن ہے۔ سو وہ بخوبی انجام کو پہنچانا۔ رہا دنیا کا سفر تو وہ پیچھے  
 پیچھے ہے۔ اس کے انجام پانے میں کوئی شک و گمان نہیں۔“  
 ”اس گروہ کی نظر جو اپنے آپ پر اور اپنے خدا پر رہتی ہے، بہت بلند ہے۔ کوتاہ نظر  
 کے نزدیک جو مرتبہ مومن، کافر، بہشت و دوزخ، نعمت و عذاب کلبے، اُسے تم  
 جاہلوں کے حوالے کر دو اور اپنے آپ کو پہچانو۔“

”تمہاری جنت خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اور تمہارا دوزخ ذاتِ خداوندی سے  
 دوری۔“

”دیکھنا اور پالینا تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ پوشیدہ راز کو پالینے والا اہل سلوک  
 میں اس طرح ہے جیسے ستاروں میں آفتاب ہوتا ہے۔ جس نے حق تعالیٰ کا دروازہ  
 پالیا وہ آفتاب کی مانند ہے۔ ایسے اہل سلوک عارف ہوتے ہیں ان سب میں  
 سے ممتاز وہ ہے جس نے کچھ دے کر پالیا ہے۔“

”وحدت کا کام ریدِ حق ہے جس کی وجہ سے نظری علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو خدا کے  
 طالبوں کو ننگہ نیم سے دُور دراز راہ طے کر دیتے ہیں۔ انہیں خدا تعالیٰ نے ورنہ  
 کا علم بخشا ہے۔“

”پس تمہیں حضرت نبی کریم صلعم کی اطاعت، مرشد کی برکت سے حاصل ہو گئی ہے۔“  
 شعر  
 ہر کہ پی در پیے رسول نہاد  
 از ہمہ رہرواں بی پیش افتاد

”اگرچہ میں دیوانہ و ارباب کہہ رہا ہوں لیکن غلط نہیں کہتا۔ دیوانہ اپنے کام میں

ہو شیار ہوتا ہے۔ سب کو السلام علیکم کہیے۔“

ان اقتباسات کے علاوہ داراشکوہ کے اپنے خطوط بڑے طویل ہونے کے علاوہ بڑے دقیق اور نازک مسائل پر مبنی ہیں۔ ان خطوط کے پیچیدہ سوالات سے داراشکوہ کے شفت، مذہبی تحقیق اور سچائی کے کھوج کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ داراشکوہ کا ایک خط کم و بیش دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں حضرت ملا شاہ سے استفسارات کئے گئے ہیں۔ اس میں آیات قرآنی، احادیث اور اشعار کے وافر حوالے ملتے ہیں۔

حضرت ملا شاہ فرماتے ہیں کہ جب دل کو کشائش ہوئی تو طبیعت خود بخود موزوں ہو گئی۔ چنانچہ اس کے بعد اکثر دلی جذبات اور روحانی واردات کو شعر کی زبان میں ادا کرنے لگے۔ آپ کی نظم کا دیوان، معرفت اور حقائق و معانی سے پُر ہے۔

غزل کے علاوہ آپ کی رباعیات بڑی پُر اثر ہیں۔ داراشکوہ نے بعض غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب سکینتہ الاولیاء میں دیا ہے۔ شاعری میں آپ شاہ تخلص کرتے تھے یہاں مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے :-

شکر کہ امروز شد دولت فردائے ما     :     رتبہ اعلیٰ گرفت، ہمت والائے ما  
 رشتہ تسبیح ما، رشتہ زنا رشد     :     رہ سوئے میخانہ دارد، مرشد آتائے ما  
 دیگر نہ چراغیست دریں خانہ ویرانی ما     :     روشن از آئینش عشق نوشہ خانہ ما  
 در پے خانہ جانانہ ما شد ہمہ عمر     :     بود خود خانہ ما، خانہ جانانہ ما  
 روئے او در مفاصل مرا     :     روئے ما بود در مفاصل ما  
 در رہ عشق آنکہ مارا کشت     :     غیر ما کس نبود و تامل ما  
 ما کہ جز حق ندایم از عرفان     :     پس چہ پرسی ز حق و باطل ما  
 رفتن بروئے آب و ہوا، ہیچ نیست شاہ  
 از خود خلاص یافتن، اینجا کرامت است

## رباعیات

ہر در کہ زدم، نیسا فتم اے در ویش : چوں یافتمش، یافتمش از در خویش  
از حق داراں و حق گذراں دیدم : در گردن خویش، حق خویش از ہمہ بیش



عمرے کہ بلند و پست بودم، بودم : در مرتبہ ہیچ و ہست بودم، بودم  
خود آمدہ ام، بخود پیرستی اکنون : آندم کہ خدا پرست بودم، بودم



جان و تر بان سر نو، اے جانانہ : جو یائے تو عالم و تو اندر حنانہ  
اے باہمہ آشنا و بے گانہ ز کل : عالم بتو آشنا و تو بے گانہ



باللہ کہ بی واسطہ و بین توئی : زینت گر کاشنات کونین توئی  
یک حرف ز راہ درستی میگوم : اے جان کسی، خلاصہ عین توئی

سکینتہ الاولیاء میں ۷۰ بار مختلف آیات قرآنی اور ۳۶ بار مختلف احادیث کے حوالے  
دارا شکوہ نے دیئے ہیں۔ اسے اپنی اس تصنیف پر بڑا فخر ہے اور اکثر جگہ وہ اس کی برکت  
سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار نظر آتا ہے۔

سکینتہ الاولیاء کا اردو ترجمہ ۱۹۲۰ء میں لاہور سے چھپا تھا۔ فارسی نسخہ پاک و ہند  
میں نایاب ہے البتہ حال ہی میں اردو ترجمہ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی نے ایک خطی نسخہ سے  
کیا ہے۔ اور یہ ترجمہ زبان و بیان کے اعتبار سے خوب ہے اس کے علاوہ سید محمد رضا  
جلالی تائینی نے فارسی زبان میں اسے تہران سے بھی چھپوایا ہے۔

## رسالہ حق نما :-

یہ دارا شکوہ کی تیسری تصنیف ہے جو ۱۰۵۶ھ میں مکمل ہوئی :-

ہے۔ اس رسالہ حق نما باشد تمام : در ہزار و پنچہ و شش شد تمام ۱۰۵۶  
ہست از قادر مرداں از قادری : آنچه ما گفتیم فافہم والسلام  
داراشکوہ اس کا مقصد جیسا کہ رسالہ کے عنوان سے ظاہر ہے، طالبانِ حق کی رہنمائی بنانا  
ہے۔ اس کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنا دو طریق سے ہے ایک فضل کے  
طریق سے کہ مرشدِ کامل ایک نظر میں طالب کو خوابِ غفلت سے جگا کر محبوبِ حقیقی کا جمال  
دکھائے اور اس درجہ تک پہنچا دے کہ ”بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ“ اے (یعنی مجھ ہی سے  
دیکھتا اور مجھ ہی سے سُناتا ہے) دوسرا طریق مجاہدہ و ریاضت کا ہے۔ سو یہ سلسلہ کوشش  
اور محنت و رنج کے بعد طریقِ سلف کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔

شہزادہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ————— ”یہ نیاز مند درگاہِ صمدی محمد داراشکوہ حنفی قادری  
اس گروہ میں سے ہے کہ **مُحِبِّلِہُمُ** کے فضل سے کھینچنے والے نے ریاضت و مجاہدت  
کے بغیر نظرِ کامل کی تاثیر سے اپنی جانب کھینچ لیا اور بے انتہا مہربانی سے مطلب تک پہنچا دیا۔“  
داراشکوہ کہتا ہے کہ اس نے ایک غیبی آواز سنی جس میں کہا گیا کہ قادر یہ سلسلہ سب سے بہتر اور  
عمدہ ہے اور یہ کہ رسولِ خدا صلعم سے یہ حضرت عبدالقادر جیلانی اور پھر حضرت شیخ میا نمیر اور  
پھر میرے مرشد حضرت ملا شاہ کی وساطت سے اس تک پہنچا۔ اسی رات مجھے حکم ہوا  
کہ یہ رسالہ لکھوں اے

داراشکوہ نے اپنی جملہ تصانیف کے ناموں کے بارے میں خاص اہتمام روا رکھا ہے  
اکثر وہ قرآن شریف سے فال لیا کرتا تھا۔ اس رسالے کا نام اس کے دل میں ”حق نما“  
گزرا۔ فال نکلنے کے بعد یہ آیت کریمہ جو کہ حق نمائی پر دلالت کرتی تھی نکلی۔

”وَلَمَّا اتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ  
لِلنَّاسِ وَهَدًى وَأَرْحَمَةً لِّعَالَمِينَ تَذَكَّرُونَ“

اے حدیثِ قدسی

اے بروز جمعہ ۸ رجب المرجب ۱۰۵۵ھ



مزید لکھتا ہے کہ بزرگان سلف و خلف نے اس مفقود عالیہ کے بارے میں بڑی بڑی کتابیں تخریر کی ہیں۔ یہ رسالہ تمام کتب منصوصہ یعنی فتوحات، فصوص، سوانح، لوايح، لمحات اور لوايح وغیرہ کا جوہر ہے۔ دارا شکوہ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ رسالہ کے مندرجات وہی کچھ ہیں جو اوضاع و اطوار، نشست و برخاست و اعمال و اشغال سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ سہر موان سے فرق نہیں رکھا گیا۔ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد شہزادہ کہتا ہے کہ قاری انصاف کرے کہ اس فقیر (دارا شکوہ) پر اللہ تعالیٰ نے کس مرتبہ تک دروازہ ہدایت کا کھول دیا ہے۔ رسالے میں مزید یعنی طالب حق کے لیے دارا شکوہ لفظ ”یار“ استعمال کرتا ہے۔

اس رسالے کو چھ فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں عالم ناسوت کا بیان ہے۔ اس کے دیگر نام شہادت، عالم محسوس، عالم ملک، عالم پندار اور عالم بیداری بھی ہیں۔ دوسری فصل میں عالم ملکوت کا بیان ہے۔ اس عالم کو عالم ارواح، عالم عیب، عالم لطیف اور عالم خواب بھی کہتے ہیں۔ یہ عالم فانی نہیں ہے۔ اس میں روحانی لطافت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ پیغمبر صلعم کی صورت مبارک دیکھے تو یقین جان لے کہ یہ صورت آنحضرت صلعم کی ہی ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ ”یعنی جس نے مجھے دیکھا تو ضرور مجھے ہی دیکھا اس لیے کہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا“ لے

شہزادہ مزید لکھتا ہے کہ جب تجھے عالم لطافت کے ساتھ نسبت ہوگی تو تجھ پر عالم ملکوت کی فتح اور کشائش مبارک ہوئی۔ لیکن طالب کو چاہیے کہ اس عالم میں پڑا نہ رہے۔ عالم صوت یردل نہ لگائے۔ کشف و کرامات کی خواہش نہ کرے کیونکہ اس عالم میں کشف و کرامات بہت ہیں۔ اولیاء اللہ کے لیے یہ مقام ایک گزرگاہ ہے اور سالک کو اسے عبور کرنا لازم ہے۔ عالم ملکوت کا شغل دل کی روشنی و صفائی ہے تاکہ جو رنگار آئینہ دل پر لگا ہے وہ دور ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے کے شغل کے اسم ”اللہ“ کا ورد مخصوص طریقے سے لے من دانی فتد دانی۔ فان الشیطان لا یمثل بی۔

تلقین کیا گیا ہے۔ اس میں طالبِ حبسِ دم کے ذریعے نفسی و اثبات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ شہزادہ لکھتا ہے کہ اے یار! جس نفس میں مشغول بیٹھے تو چاہیے کہ ہمیشہ دل کی طرف متوجہ رہے کہ اس شغل میں تیرے اندر سے آواز معلوم ہوگی۔ یہ آواز بعض دفعہ ہنڈیا کے جوش کی طرح آتی ہے اور بعض دفعہ جیسی کہ بھڑوں کے چھتہ سے آتی ہے یہ شغل ایک آواز ہے جس کو فقراء کے طریق میں ”سلطان الازکار“ کہتے ہیں۔ اکثر صحیح حدیثوں سے جو کہ صحاح ستہ میں ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلعم بعثت سے پہلے اور بعد بعثت اس شغل میں متوجہ رہتے تھے یہ شغل عالی مقدار فقراء کا خلاصہ عمل ہے۔

فصل سوم میں عالمِ جبروت کا مذکور ہے۔ اس عالم کو عالمِ لازم، عالمِ احدیت و تمکین اور عالمِ بے نقش بھی کہتے ہیں۔ اس عالم سے سوائے سید طاہرہ استاد ابوالقاسم جنیدؒ کے اور کسی نے خبر نہیں دی۔ انہوں نے فرمایا۔ تصوف یہ ہے کہ ایک گھڑی بے غم ہو کر بیٹھے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو، بے غم کا کیا مطلب ہے۔ بلا جستجو کے پالینا اور بغیر دیکھنے کے دیکھ لینا۔ کیونکہ دیدار میں دیکھنے والا ایک علت میں ہے۔ اس کے بعد عالمِ جبروت میں شغل اور بیٹھنے کے طریقوں کا حال بیان کیا ہے۔

فصل چہارم لاہوت کے بیان میں ہے۔ اس عالم کو ہویت، عالمِ ذات، عالمِ سیرنگ اور عالمِ اطلاق بھی کہا ہے۔ یہ عالم تمام عالموں کا اصل اور ان سب کا محیط ہے دوسرے عالم نمائزہ جسم کے ہیں اور یہ عالم ان کی جان ہے۔ تمام اسی میں آتے ہیں اور اسی سے نکلتے ہیں اور یہ بذات خود ہمیشہ یکساں ہے۔ اس میں تفاوت نہیں ہو سکتا۔ دو سگر جہان اس جہان کی نسبت ایسے ہیں جیسے کہ موجیں دریا کی نسبت اور ذرات آفتاب کی نسبت اور الفاظ معانی کی نسبت۔

داراشکوہ لکھتا ہے: ”پس اے یار! جب یہ توحید کی سعادت لازوال جو کہ ان عالموں کی آشنائی سے ہوا کرتی ہے تجھ کو حاصل ہو جائے تو ہویت سے خبر دے گا۔“

پانچویں فصل میں بھی ہویت کا بیان جاری ہے۔ سترہزادہ رقمطراز ہے کہ: —  
 ”معلوم کر۔ کہ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر تو کون ہے۔ اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں کہ اپنے  
 آپکو بھی عین جانے اور من و تو کے گمان میں نہ رہے۔ یہاں ہی توحید و توحیدی ذات کی حقیقت  
 ہے۔ ”وَ فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ“ چاہیے کہ تو ذات سے اپنے جاننے کو ملاحظہ  
 نہ کرے۔ وہم اور وسوسہ کی راہ دل پر نہ کھولے۔ تعینات کو ذات کا پردہ نہ سمجھے،  
 فصل ششم میں توحید وجودی یعنی ہمہ اوست کا بیان ہے۔

”اے یار! حقیقت کا دریا جب جوش میں آیا تو موج اور نقش اس میں ظاہر ہوئے۔  
 ان سب کو اُس دریا میں جدائی نہیں۔ اگر تو کسی نقش و موج کو دریا سے جدا کرنا چاہے۔  
 تو کوئی صورت نہیں اور نام ہیں اگرچہ ہر ایک جدا ہے لیکن ذات و حقیقت میں ایک ہی ہے  
 رباعی: توحید بگویم از بلفہمی بلوا : موجود نبود هیچ کہ غیر خدا  
 آہنا کہ نومی بینی و میدنی غیر : در ذات بھی یکسیت و در نام جدا  
 پانی بے رنگ اور بے صورت ہے۔ جب جم جائے تو کبھی سبز، کبھی اولہ اور کبھی برف کی صورت پکڑ  
 لیتا ہے۔ پس جس شخص نے پہچان لیا ہے اور دیدہ بینا رکھتا ہے تو وہ پانی کے تمام مراتب و  
 کیفیات جانتا ہے۔ — — — آخر میں کہتا ہے کہ اے یار! باوجود تقیّدات کے اپنے آپ کو  
 عین سجت اور محض ہستی جانتا ہے اور جو کچھ اپنا غیر دکھائی دے اس کو عین اپنا سمجھنا اور  
 دونی کی جڑ کو اکھیر دنیا اور بعد و بیگانگی کے پردہ کو دور کر دینا اور سب کو ایک ذات  
 دیکھنا ہے۔

مرشد نے جب طالب صادق کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا اور اس دقیقہ کو سمجھا دیا تو اب  
 تعلیم و تعلم کی گنجائش نہ رہی۔ تیرا وجود، وجود کل ہو گیا۔ رنج اور خوف، وہم و دونی اولہ  
 ہجوری تیرے دل اٹھ گئی۔ عذاب و ثواب سے چھوٹ گیا۔ نجات ابدی تک پہنچ گیا۔  
 اب جو چاہتا ہے کرا اور جس وصف کے ساتھ کہ چاہتا ہے، رہو۔“

بیت :- بادشاہی را گزارے دوست آگاہی گزین  
چوں باگاہی رسیدی ہرچہ میجو اہی گزین  
کیونکہ بشارت لاخوف علیہم ولا ہم یخزنونہ اور خوشخبری انزل السکینتہ  
علی قلوبہم۔ اس حالت والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور انہی کے حق میں ظاہر ہوئی ہے  
حسنات العارفين (شطھیات)

یہ مختصر کتاب ان صوفیاء اقوال کا مجموعہ ہے جو بڑے بڑے برگذیدہ صوفیائے کرام  
اور اولیائے عظام کی زبان سے بہ حالت وجد اور حال مستی نکلے، اور جن کا مطلب شریعت  
اسلام کے ظاہری قوانین کے برعکس تھا۔ چونکہ داراشکوہ جو خود کو ایک صوفی باصفا اور  
فقر میں کامل سمجھتا تھا، اس کی زبان سے بھی ایسے ہی کلمات نکلے۔ اور دائرہ تخریر میں آکر  
اہل ظاہر کے اعتراضات کا سبب بنے۔ چنانچہ اپنی برأت کی خاطر داراشکوہ نے  
مشہور صوفیاء کے اقوال کو مرتب کر کے شطھیات نام رکھا۔ داراشکوہ کتاب کی وجہ تسمیہ  
کے متعلق رقمطراز ہے :-

”چونکہ میں موجودہ علماء کے مذہب سے منہ نہیں ہوں اور میں نے دریں اثنا کچھ  
کلمات حق کہے اور لکھے ہیں جن کا تعلق میری روحانی کیفیات سے ہے۔ اس لیے بعض  
شر پسند اور بد نیت اشخاص جن کے پاس نقد علم نہ ہونے کے برابر ہے، مجھے ان کلمات  
کے سبب ملامت کرتے ہیں اور بدعت و کفر کا الزام دھرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ضروری  
سمجھا کہ ایک رسالہ شطھیات کے ضمن میں مرتب کر کے ان لوگوں کو قائل کروں جو مسیح کے  
روپ میں دجال ہیں۔ اور موسیٰؑ کے بجائے فرعون ہیں۔ اور حضرت محمدؐ صلعم کے اخلاق  
کے بجائے ابوجہل کے تعصب کے حامل ہیں۔ کچھ شطھیات اگرچہ روزبھان بقلی نے  
فراہم کئے ہیں تاہم میں نے زبان کو سہل اور عام فہم بنانے کے انہیں اصناف کیا ہے۔“

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ معرفت حق کے ان مدارج کو طے کر چکا تھا جن کے بعد مشاہیر صوفیاء ایسے الفاظ ادا کرنے کے مجاز تصور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داراشکوہ نے بڑی جرأت، حق گوئی اور بے باکی سے بے کم و کاست اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا ہے۔ ان شطیحات میں دارانے اپنی شطیحات کا ذکر نہیں کیا بلکہ بعض احباب کے استفسار اور تمقاضوں کے جواب میں یہ کہا کہ ان بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اور میں نے لکھا ہے، گویا یہ سبھی کچھ میرا ہی ہے۔ جن مقتدر صوفیائے کرام کی شطیحات کے حوالے کتاب میں درج کئے ہیں ان کے نام یہ ہیں :-

حضرت بایذید بسطامیؒ

حضرت ذوالنون مصریؒ۔ حضرت ابوسعید حرازیؒ۔ حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت ابوبکر واسطیؒ۔ حضرت امام احمد غزالیؒ۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت ابن العربیؒ۔

ان کے علاوہ رسول اکرم صلعم کے خلفائے اربعہ، حضرت امام زین العابدینؒ

اور امام جعفر صادقؒ کے اقوال بھی پیش کئے ہیں۔

اس کتاب کا آغاز ۱۰۶۲ھ میں ہوا جبکہ داراشکوہ کی عمر ۲۸ سال تھی اور کتاب کا

اختتام ۱۰۶۴ھ میں بروز سوموار آخر ربیع الاول ہوا۔ شطیحات کا اردو ترجمہ لاہور

میں حسناات العارفین کے نام سے ۱۹۱۲ھ میں ہوا۔ کتاب کے آخر میں داراشکوہ

لکھتا ہے وہ شخص حقیقت میں خوش نصیب ہے جو ان باتوں کو سمجھتا ہے اور ان سے

مستفید ہو کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ قرآن توحید کی تعلیم دیتا ہے اور توحید کو جاننا مقرر

کہلاتا ہے۔ اور انسان کے علم کا منتہا یہی دو باتیں ہیں۔ لے

۱۔ دیکھئے پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل۔ مقالہ پنڈت شیونرائٹ

## سِرِّ اکبر

یہ کتاب ہندو مذہب کی کتب ”اپنشدوں“ کے پچاس ابواب کے ترجمہ پر مبنی ہے جسے سنسکرت زبان میں داراشکوہ نے بنارس کے اہل علم پنڈتوں کی مدد سے منتقل کیا۔ یہ ترجمہ ۱۰۶۷ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کا نام سِرِّ اکبر رکھا گیا۔

داراشکوہ نے جب یہ ترجمہ کروایا تو علمائے ظاہر نے برہمی اور ناراضگی کا حسب معمول اظہار کیا لیکن داراشکوہ، کہ جس کی زندگی کا مقصد جستجوئے حقیقت اور ادراکِ معرفت تھا، نے ہندومت کے علوم کا مطالعہ بڑی عرق ریزی سے کیا اور اپنشدوں میں اُسے وہ کچھ مل گیا جس نے اس کے توہمات اور گمانوں کو یکسر رفع کر دیا۔

لفظ اپنشد (مصدر) سے پہلے اپن علامت لگانے سے اپنشد بنا ہے۔ اس مصدر کے معنی ملنے کے ہیں۔ یعنی اپنشدوں کے معنی اس علم کے ہیں جو خدا سے ملا دیتا ہے۔ سنسکرت میں سُد مصدر کے تین اور معنی بھی ہیں ڈھیلنا کرنا، جانا اور مٹانا۔ چنانچہ ہندو فیلسوف یہ معنی نکالتے ہیں کہ جو علم ہم ہمیشہ کو غلط باور کر کے فنا کر دے۔ وہ اپنشد ہے۔ سنسکرت کی ”اسرکوش“ نامی لغت کی رو سے اپنشد کا لفظ ”راز“ یعنی پُر اسرار مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے۔ چونکہ اپنشد ذاتِ خداوندی جو انتہائی پوشیدہ اور پُر اسرار ہے کی وضاحت کرتا ہے اس لیے اس لفظ کے معنی راز یا بھید کے بیان کیے جاتے ہیں۔

اپنشد کے علم کو ویدانت بھی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہے کہ اپنشدوں کا وجود وید کے انت یعنی آخری حصے میں پایا جاتا ہے۔ اپنشد تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ سنسکرت ادب میں اپنشدوں کی یہ سب کتابیں علم و عرفان کا خزانہ مانی جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں خاص طور پر علم الہیات کی تحقیق کا بیان ہے۔ اس لیے اپنشدوں کا علم روحانیت کا علم سمجھا جاتا ہے۔

داراشکوہ سِرِّ اکبر کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اُسے ۱۰۵۰ء میں جب کشمیر جانے کا اتفاق ہوا

تو حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے شرف ملاقات نصیب ہوا۔ چونکہ اسے سہرطائفہ کے عارفوں اور موحدین سے ملاقات کا شوق رہا ہے اس لیے وہ ان کی عارفانہ باتوں اور حکیمانہ کلام سننے کو بے حد پسند کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے تصوف کی اکثر کتابیں مطالعہ کی ہیں بلکہ خود بعض رسائل تصنیف بھی کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود طلب توحید کی پیاس بجھنے کے بجائے دمدم زیادہ ہوتی اور دقیق مسائل ہر وقت دل میں تھیر کی کیفیت پیدا کرتے رہتے۔ ان مشکلات کا حل سوا کلام الہی اور فضل خداوندی کے ممکن نظر نہ آتا۔ قرآن کریم میں جو اشارات موجود ہیں ان کے جاننے والے فی زمانہ مکیاب ہیں۔ بنا بریں یہ خواہش ہوئی کہ جملہ آسمانی کتب کو بنظر تحقیق اور حصول مدعا کی خاطر دیکھا جائے اس لیے کہ کلام الہی خود آپ اپنی تفسیر ہوتا ہے اگر ایک کتاب میں اجمال ہو تو دوسری میں تفصیل ہو سکتی ہے چنانچہ اس غرض کے لیے توریت، انجیل، زبور اور دیگر کتب آسمانی کا مطالعہ بھی کیا گیا۔

داراشکوہ کو خیال ہوا کہ ان تمام آسمانی کتابوں میں توحید کا بیان مجمل اور رموز ہے اور مطلوب کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ اس لیے چاہیے کہ طائفہ قدیم از ہندوؤں کے ان کے ہاں گفتگوئے توحید کا بڑا چرچا ہے۔ اوزان کے ہاں بڑے نامور موحدین گزرے ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے داراشکوہ اپنے وقت کے نام نہاد عالموں کا شکوہ کرتا ہے کہ وہ علم میں ترقی کے طالب نہیں ہیں اور محدود علمیت کے ساتھ لوگوں پر تکفیر اور انکار کے الزامات عائد کر کے ان کے قتل کے درپے ہیں۔ وہ انہیں ”جہلانے این وقت کہتا ہے

داراشکوہ چاروں ویدوں کو تمام آسمانی صحیفوں سے پہلے کی آسمانی کتابیں سمجھتا ہے جو ”برہما، یعنی حضرت آدم صغی اللہ پر نازل ہوئیں۔ ان چاروں کتابوں کے خلاصہ کو کہ جس میں جمیع اسرار و سلوک و اشغال توحید درج ہیں ”اپنکھت“ کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ کے اہل علم نے اس کی تشریحیں اور تنقیحیں لکھی ہیں۔

ہندو پنڈتوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ قدیم علوم کو سینہ بہ سینہ محفوظ رکھتے اور چند

مخصوص افراد کی اہلیت کے بغیر کسی پر ظاہر نہ کرتے۔ اہل اسلام سے تو وہ اپنے قدیم مذہبی اسرار کو پوشیدہ رکھنے کا خاص اہتمام کرتے۔ دارالاشکوہ کے تجسس کا ایک عنصر یہ بھی تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے

”و این جماعہ کہ آں را اہل اسلام این قدر پوشیدہ و پنہاں می دارند، در آں چہ ستر است“

چنانچہ دارالاشکوہ نے بنارس کے تمام پڑتوں اور سنیا سیوں کو جو علم بید و اپنکھت کے رازداں تھے۔ اکٹھا کیا اور خود ترجمہ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ بہت سی مشکلات اور الجھنوں کا حل اسے مل گیا۔

”و ہر مشکلی و ہر سخن بلندے کہ ہمی خواست طالب آں بود، می جست و نمی یافت“

آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہ اپنشد بکر توحید کا سرچشمہ ہے اور بے شک و شبہ اولین کتاب سماوی ہے اس لیے قرآن مجید کے مطابق بلکہ اس کی تفسیر ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذیل کی آیت شریفہ اسی قدیم کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے :-

”این خلاصہ کتاب قدیم کہ بے شک و شبہ اولین کتاب سماوی و سرچشمہ تحقیق بکر توحید است و مطابق قرآن مجید، بلکہ تفسیر آں است۔ صریح و ظاہر می شود کہ این بعینہ در حق این کتاب قدیم است“

”انہ لقرآن و کوریم فی کتاب مکنون لایست الا المظہرون تانزل من رب العالمین۔“

یعنی قرآن کریم در کتاب است و آں کتاب پنہاں است و اوراد رک نمی کنند مگر ولے کہ مظہر باشد، نازل از پروردگار عالم و عالمیاں مشخص و معلوم می شود کہ این آیہ در حق زبور، توریت و انجیل نیست بلکہ از لفظ تنزیل چنیں ظاہر می گردد کہ در حق لوح محفوظ ہم نیست۔ چون اپنکھت کہ ستر پوشیدنی است، اصل این کتاب است و آیت بلے قرآن مجید بعینہ در آں یافتہ



مے شود۔ پس تحقیق شد کہ کتاب مکنون این کتاب قدیم باشد۔“

سٹر ابر کے دیباچہ سے داراشکوہ کی جستجو، علم کی پیاس اور طلب حقیقت کا بخوبی انداز لگایا جاسکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ داراشکوہ ایک عظیم سلطنت کا بانی ہے۔ ہم ہرگز یہ قیاس نہیں کر سکتے تھے کہ موسیٰ کی چونکاہٹیں و ان تحقیقات کے پس منظر میں ذاتی شہرت یا حشمت جانا غصہ ہرگز نہ ہوگا۔ یہ سب اور اس کی دیگر تصانیف اس کے خلوص اور مذہبی شغف کی منظر ہے۔ ہر مذہب و ملت کے موجدین کے ساتھ ربط و تعلق اس کی وسیع المشرقی کی دلیل ہے۔ وہ اس مقولے پر عمل پیرا نظر آتا ہے کہ سچائی اور حقیقت مومن کی میراث ہے۔ جہاں کہیں بھی ہو اسی کی کم گشتہ ملکیت ہے۔

داراشکوہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت سے قریب تر ہیں۔ پاک و ہند کے علاوہ یورپ و ایشیا کے کسی مصنفین اور محققین نے ویدوں اور اپنشدوں کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کتابوں میں بنیادی طور پر مسئلہ توحید (وحدت الوجود) کی توضیح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خدا کی تربت کے حصول کے لیے مراقبوں کے بیانات ہیں۔ علم الہیات کے مسائل مثلاً پیدائش عالم، کینیت روح، مادہ کی ماہیت، خدا کی حقیقت روح کا بہشت و دوزخ میں رہنا اور حالت رنج و خوشی وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنشدوں کے مضامین سے سبھی اہل علم خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مشہور مسلمان البیرونی ان اپنشدوں کے گہرے مضامین سے بڑا متاثر تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے گیارہویں صدی میں ہندوستان کا سفر کیا تو اپنشدوں کو سمجھنے کے لیے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی۔ داراشکوہ کے اس فارسی ترجمے کی اتنی پذیرائی ہوئی کہ اسے فارسی زبان سے فرانسیسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ جب یہ ترجمہ جرمنی کے مشہور فلسفی شوپن ہار نے پڑھا

اے البیرونی کا بھارت

تو اسے روحانی بصیرت حاصل ہوئی۔ لے

پروفیسر میکس مولر جو ویدانت کا بڑا عالم تصور کیا جاتا ہے، اس کا خیال ہے کہ شوپن ہار کا بیان کسی تصدیق کا محتاج نہیں ہے۔ اپنشدوں کے حیرت انگیز مسائل کے بارے میں شوپن ہار مزید لکھتا ہے :-

”یہ مسائل ایسے ہیں جو ایک طرح سے غیر انسانی تصنیف ہی ہیں۔ یہ جن کے دماغ سے ظاہر ہوئے ہیں ان کو صرف انسان کہنا کٹھن ہے۔“ لے

پال ڈائسن (PAUL DEUSSEN) جرمنی کے ایک دوسرے عالم نے اپنشد رشن ایک کتاب بھی لکھی ہے اس کی رائے ہے کہ اپنشدوں میں جو فلسفیانہ مضامین ہیں وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں بے مثل ہیں۔ آگے مزید لکھتا ہے کہ کانٹ اور شوپن ہار کے خیالات اپنشدوں میں پہلے ہی سے موجود تھے نیز قدیم فلسفیانہ صداقت کا ظہور اس نجات دلانے والے روحانی علم سے زیادہ شاید ہی کہیں ہوا ہو لے

لے شوپن ہار کے الفاظ یہ ہیں :- In the whole world, there is no study so elevating.

لے وہ لکھتا ہے :- "If these words of Schopenhauer required any confirmation, I would willingly give it as a result of my life-long study."

"Almost super human conceptions whose originators can hardly be said to be mere men."

"Eternal philosophical truth has seldom found more decisive and striking expression than in the doctrine of emancipating knowledge of the Atma." (P. Daussen).

ان اقتباسات کی روشنی میں جن میں بدلیسی عالموں اور فلسفیوں کی آراء ہیں۔ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ داراشکوہ اور ان کے خیالات میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے اپنشدوں کے علوم اور مباحث کے حقیقی اور الہامی ہونے میں اکثر مفکرین دارا کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

ہندو مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ چنانچہ ان کی مقدس کتابوں کی قدامت بھی اسی اعتبار سے ہوگی۔ صدیوں سے اہل ہند کا یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ وید انسان کی تصنیف نہیں بلکہ خدا کی طرف سے رشیوں کو جو مکاشفات ہوئے اور انہوں نے دل کی آنکھوں سے کلام الہی کا مشاہدہ کیا۔ اس کا بیان ہے۔ یہ فقط اس کلام کو دوسروں پر ظاہر کرنے کا وسیلہ تھے نہ کہ اس کلام کے مصنف۔

پروفیسر میکس مولر کے خیال کے مطابق ان کتابوں کا زمانہ دو سو قبل از مسیح سے دو ہزار قبل از مسیح تک کا ہے۔ اکثر یورپین محققین نے ویدوں کے زمانہ کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے (بنتلیے (BENTLY) کا خیال ہے کہ ویدوں کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چوبیس سو سال قبل مسیح ہے۔ ان مفکرین کی رائے ہے کہ ویدوں کی تصنیف کی ابتداء وسط ایشیا میں ہوئی تھی۔ ہندوستان کے ایک عالم تک کا خیال ہے کہ ویدوں کی تصنیف چھ ہزار قبل مسیح میں شروع ہوئی اور چوبیس سو قبل مسیح میں ختم ہوئی۔ اس لیے ویدوں کا زمانہ ۳۶۰۰ قبل مسیح ہے۔ فی الحال مسٹر تک کی تحقیق ہی علمی دنیا کے اندر تسلیم کی جاتی ہے موصوف نے اس کا دش کو ایک کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے جس کا نام اورائن (ORHINE) ہے اس تحقیق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وید کسی ایک زمانہ میں تصنیف نہیں ہوئے بلکہ ان کا زمانہ تصنیف کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔

حضرت مرزا مظہر شہید جان جاناں ۱۱۳۳ھ تا ۱۱۹۵ھ ایک مشہور صوفی بزرگ اور عالم دین تھے۔ آپ نے سلوک و تصوف کی جستجو کے لیے اپنی عمر وقف کر دی تھی علم حدیث

یہ حاجی محمد افضل سیالکوٹی اور قرآن حکیم کی تعلیم میں حافظ عبدالرسول چوہدری کے شاگرد تھے۔  
 نقشبندی سلسلہ میں حضرت سید نور محمد بدایونی سے بیعت کی جو صرف دو واسطوں سے حضرت  
 مجدد الف ثانی کے سلسلہ میں منسلک تھے۔ حضرت میرزا مظہر، قادر یہ، نقشبندیہ اور چشتیہ  
 تینوں طریقوں کی تلقین کرتے تھے۔ آپ اپنے ایک مرید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو مذہب  
 ہنود کے متعلق تھا اپنے ایک مکتوب میں لکھتے تھے۔

”اہل ہند کی قدیمی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت نے نوع انسانی  
 کی معاد و معاش کی اصلاح کے لیے برہان نامی فرشتے کی معرفت وید مقدس نازل  
 کیا۔۔۔۔۔ اہل ہنود کے تمام فرقے خدا تعالیٰ کی توحید میں اتفاق رکھتے ہیں  
 عالم کو مخلوق جانتے ہیں۔ جہان کو فانی سمجھتے ہیں۔ اور قانون مجازات پر ان کو  
 یقین ہے۔ اہل ہنود میں بعض ایسے عالم ہوئے ہیں کہ جن کو علوم عقلی و نقلی اور  
 مجاہدات و مکاشفات میں پوری دسترس حاصل تھی۔ اور تحقیق و معارف  
 میں ان کو ید طولیٰ تھا۔ ان کے متکلمین نے انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم  
 کیا ہے۔ چوتھے حصے میں دنیا سے الگ نخلگ ہو کر عزت گزین ہو جانا ہے  
 اور بقیہ عمر تزکیہ نفس اور یاد الہی میں بسر کی جاتی ہے۔ غرضیکہ ان کے دین  
 کے قواعد و ضوابط میں پورا نظم و نسق تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دین بھی دین  
 الہی تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا شریعت میں موسوی و عیسوی دین و مذہب  
 کے سوا اور کسی مذہب کی تالیف کا ذکر نہیں آیا۔“ لے

یہ امر خدا تعالیٰ کی رحمتِ عامہ سے بعید نظر آتا ہے کہ آسمانی ہدایت سے ہندوستان  
 جیسے وسیع و عریض خطہ کو محروم رکھا جانا۔ اس سر زمین میں بھی انبیاء و رسل کی بعثت واقع  
 ہوئی ہے۔ ان کا حال اہل ہنود کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ان کے احوال و آثار سے ظاہر ہوتا

لے، مقامات مظہریہ۔ ص ۹۹ تا ۱۰۱

ہے کہ وہ کامل اور اکمل تھے۔ اگرچہ ایسے پیغمبروں کا ذکر مذہب اسلام کی کتب میں مذکور نہیں  
 تاہم یہ مسلمہ امر ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل ہر ایک قوم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوا  
 اور ان اقوام پر اپنے پیغمبروں کی اطاعت لازمی و واجب ٹھہرائی گئی ہے نہ کہ دوسرے  
 پیغمبروں کی۔ مگر آنحضرت صلعم فداہ روحی کی بعثت تمام جہان کے لیے ہے اور آپ کا دین  
 جملہ ادیان کا نسخہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے آپ کا اتباع  
 نہیں کیا وہ کافر ہیں نہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے کے لوگ۔ اس آیت کریمہ کی رو سے کہ  
 مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ؛ شریعت نے ان انبیاء  
 کے حالات سے سکوت فرمایا ہے۔ اے

اس ضمن میں قرآن مجید میں واضح آیات موجود ہیں جن کی روشنی میں ہندوستان میں  
 پیغمبروں اور نبیوں کی بعثت کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ذیل میں  
 قرآن کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں :-

۱۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ۔ مَاذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ فَقَتَلُوهُمُ بِالْقِسْطِ  
 وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (ہر ایک اُمت کا ایک رسول ہوا ہے۔ قیامت کے دن ہر اُمت  
 کا رسول ہمارے پاس حاضر ہوگا اور لوگوں پر مطلقاً کوئی ظلم نہ ہوگا)

۲۔ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (اور ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا ہے)  
 ۳۔ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ رِجَالًا مِنْهُمْ نَخْبِتُ مِنْهُمْ كَمَا نَخْبِتُ مِنْكُمْ  
 (میں نے ان سے پہلے بھی اُمتوں میں  
 مرسل بھیجے تھے)

۴۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا (قیامت کے دن ہم ہر اُمت کے

شہید بنائیں گے)

۵۔ وَ انْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (اور کوئی اُمت ایسی نہیں گزری جس  
 میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو)

اے ماہنامہ صوفی دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۲ تا ۳۱

۶۔ ولقد ارسلنا من قبلك في شيع الاولين (اور ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے کردہوں میں پیغمبر بھیجے تھے)

۷۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں، ہم کسی کو سزا نہیں دیا کرتے)

حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی کے خیالات سے بھی گزشتہ صفحات کے بیانات اور دلائل کی تصدیق ہوتی ہے حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:-

”گزشتہ اُمتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں

پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو حتیٰ کہ زمین بند میں بھی جو اس معاملے سے دُور دکھائی

دیتی ہے۔ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے اور خدا کی طرف سے دعوت

فرمائی۔ اگر ایسے شہروں کا تعین کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔۔۔ بعض ایسے

پیغمبر گزے ہیں جن کے صرف دو یا تین اشخاص تابع ہوئے بلکہ ایسا پیغمبر بھی

گزارا ہے جس کی کسی نے تابع نہیں کی، اہل ہند کی مذہبی کتب کی صفات، تقدس و

مہذبہ کے متعلق جو کچھ ہم میسر آیا ہے وہ سب انہی پیغمبروں کی تعلیم کا نتیجہ ہے اے

مقامات حضرت امام ربانی میں لکھا ہے:-

”مجھے ہندوستان میں بعض انبیاء علیہم السلام کی قبریں دکھانی گئی ہیں جن میں سے

نور طلوع ہوتا ہے“

آج ہم یورپین محققین کے کہے ہوئے پر یقین کرنا قابلِ فخر بات سمجھتے ہیں اور ان کی عملی

کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ہند کے اس مسلمان شہزادہ

کی تحقیق و جستجوئے علم کے بارے میں ہم متعصب ہو جانے میں یہ دارا شکوہ ہی تھا جس

نے اپنشدوں کے ترجمے کی وساطت سے اہل مغرب کو ہندوؤں کے علم سے روشناس کیا۔

۱۔ مکتوبات جلد اول۔ مکتوب ص ۱۵۹

اور اپنی ذاتی نگرانی میں پوری تحقیق اور انصاف کے ساتھ یہ کام کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ داراشکوہ کے ذوق و شوق کے پیش نظر اس ترجمے میں کسی قسم کی کوتاہی روانہ رکھی گئی ہوگی وہ خود بھی کہتا ہے :-

”خواست کہ اپنکھت ہاراک گنج توحید لود، ودانندگان آں درآں قوم ہم ماندہ اند، بزبان فارسی بے کم و زیاد و بے غرض نفسانی، بعبارت راست برات لفظاً بہ لفظاً ترجمہ نمودہ۔“

اس میں شک نہیں کہ داراشکوہ کی بعض باتوں سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا اور بعض آیات شریفہ کی تشریح و تفسیر قابل قبول نہیں ہو سکتی اور بجا طور پر اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن باوصف اس کے اس کی سعی بلیغ اور نیک نیتی و خلوص پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ مولانا شبلی نعمانی نے اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا سبب یہ ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بے دین ہے۔ اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرماں روا ہوا تو ملک میں لادینیت پھیل جائے گی۔ عام مورخوں کا خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا۔ نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا۔ دلوں کا حال خدا کو معلوم لیکن اس کتاب رستراکبر کے دریاچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعائر اور خصوصیات بالکل مٹے جاتیں۔“

مولانا شبلی کے اس بیان میں خاصا تضاد موجود ہے ایک طرف تو کہا کہ وہ (داراشکوہ) بے دین نہ تھا اور آگے چل کر فرمایا کہ وہ بالکل ہندو بن گیا تھا۔۔۔۔۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ مولانا شبلی کا قلم ہیرو پرستی کے سلسلے میں اکثر یک رخا ہو جاتا ہے اور اس تاریخی بصیرت کو نظر انداز کر دیتا ہے جو اس کا امتیازی وصف ہے۔ چنانچہ میر انیس کے مقابلے میں مرزا ذہیر

ہویا اور نگ زیب عالمگیر کے مقابلے میں داراشکوہ ہو، وہ یک طرفہ سوچ بچار کے عادی ہیں۔ اور بعض اوقات یہ ان کی جذباتی مجبوری بن جاتی ہے۔ سیر اکبر کا دیباچہ ان حقائق کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے گزشتہ صفحات میں مسلم اور غیر مسلم سمجھوں نے سراہا ہے اور جن میں داراشکوہ کے ہندو بن جانے کی کوئی علامت اور کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ داراشکوہ نے سیر اکبر کے ترجمہ کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

”بغیر از منتفع شدن خود و اولاد خود و دوستان خود و طالبان حق مطلبی و مقصودی نبوده۔ سعادت مندے کہ غرض نفس شوم گزاشته، خالصاً لوجه اللہ این ترجمہ را کہ بہ سیر اکبر موسوم است ترجمہ کلام الہی دانستہ ترک تعصب نموده، بخواند و فہمید۔ بے یزال و بے اندوہ و دستگار و موید خواهد شد“

داراشکوہ کے ان الفاظ سے، اگر انصاف کی عینک سے دیکھا جائے تو، کمال، بے غرضی، خلوص، نیت اور طالبان حقیقت و متلاشیان حق کی راہنمائی کے سوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ پورے دیباچے کے متن کی تصدیق و تائید سوا ایک آدھ اختلاف کے مسلمان صوفیاء اور علماء کے بیانات سے گزشتہ اوراق میں پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے نہ معلوم مولانا نے دیباچہ میں اس کے ہندو بن جانے کا کونسا عنصر دیکھا تھا۔ سیر اکبر کے آخر کی عبارت ملاحظہ کیجئے۔

”بست و ششم ماہ رمضان یکہزار و شصت و ہفت ہجری در شہر دہلی در منزل تکبوتہ وہ تمام رسا پیدا، ازین گنج معرفت بہرہ و راز ہستی مومہوم خلاص گشتہ بہ ہستی حق رسید دستگار جاوید گردید۔ تمام شد کتاب ترجمہ پختہ ہا موافق چتر بید،“

اے موسیوڈ پران کافر انیسی اور لاطینی زبانوں میں سیر اکبر کا ترجمہ دو جلدوں میں ۱۸۰۲ء کو شائع ہوا۔ ایک خطی نسخہ کراچی میوزیم ظفر الحسن کلکشن میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ فارسی نسخہ کلیات داراشکوہ میں گیانی پریس گوجرانوالہ پنجاب سے بھی شائع ہوا تھا۔



## بھگوت گیتا :

یہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں سے ایک مشہور کتاب ہے جسے سنسکرت زبان سے فارسی میں داراشکوہ نے ترجمہ کیا۔ اس کا ایک خطی نسخہ نمبر ۱۹۴۹ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے چونکہ نسخہ میں تاریخ وغیرہ نہیں ملتی اس لیے سن تالیف و ترجمہ کے بارے میں کچھ قطعی طور پر کہا نہیں جاسکتا۔ غالب گمان ہے کہ ۱۰۶۷ء یعنی اپنشدوں کے ترجمے سے قبل بہر حال نہیں ہوا لے ڈاکٹر آریو اس ترجمے کو ابوالفضل کی طرف منسوب کرتا ہے لے لیکن فہرست نگار ڈاکٹر ابیجھی نے داراشکوہ کی تصنیف کہا ہے۔ تھے

## بیاض داراشکوہ :

داراشکوہ کی ایک بیاض کا تذکرہ صرف مخزن الغرائب کے مصنف نے کیا ہے بلکہ اس بیاض سے استفادہ بھی کیا ہے۔ اس بیاض کا ذکر کسی اور تذکرے میں موجود نہیں اور نہ یہ کسی لائبریری میں موجود ہے۔ دارا کے ذوق شاعری کے پیش نظر اس نوعیت کی بیاض مرتب کرنے کا گمان ہو سکتا ہے۔

## مکاتیب :

داراشکوہ نے اپنی زندگی میں بہت سے خطوط لکھے۔ سرکاری اور سیاسی خطوط ہمارا موضوع نہیں بلکہ وہ رفعات جو وقتاً فوقتاً علماء اور صوفیاء کو مذہبی مسائل کی تحقیق کے بارے میں لکھے گئے تھے۔ ان کا ذکر ایک کتاب "بیاض القوانین" میں ہے۔ اس میں داراشکوہ کے آٹھ خطوط ملتے ہیں جو اس نے شاہ محمد دلربا، شیخ محب الدالہ آبادی، حضرت ملا شاہ ستادری بدخشی اور شیخ سرد وغیرہ کے نام ہیں۔ داراشکوہ کے بعض خطوط پرفیسر محفوظ الحق کی نظر میں متفرق کتب انشاء اور دیگر مجموعوں میں گزرے ہیں لے

۱ لے دیباچہ مجمع البحرین۔ محفوظ الحق ص ۱۴ (۲) فہرست فارسی مخطوطات برٹش میوزیم جلد اول ص ۳۹

۳ فہرست فارسی مخطوطات انڈیا آفس جلد اول کالم ۱۰۸۹ (۴) مجمع البحرین۔ محفوظ الحق ص ۱۵-۱۴

## دیباچہ مرقع :

کُتب خانہ ملی پریس میں ایک نسخہ خطی بنام "نگارستان منیر" ہے جس کے آخری حصے میں ایک دیباچہ مرقع بخط دارا موجود ہے۔ فہرست نگار بلوچی نے اسے دارا شکوہ کی تصنیف شمار کیا ہے لیکن محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ مرقع شاید وہی ہوگا جو شہزادہ دارا شکوہ نے ۱۰۵۴ھ میں اپنی بیوی نادرہ بیگم کو تحفہ میں پیش کیا تھا۔ اور نیٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۵۵ء کے ضمیمہ میں علامہ مولوی محمد شفیع استاد جامعہ لاہور نے اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے کہ ایک اصلی نسخہ مرقع دارا شکوہ کُتب خانہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے لیکن کُتب خانہ مذکور کی فہرست میں درج نہیں۔ اس مرقع کے ۸۱ اوراق ہیں جن میں خطاطی اور نقاشی کے نادر نمونے ہیں۔ یہ مرقع دارا شکوہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بہت سے مشاہیر خوشنویسوں کے خطاطی کے نمونے اس میں موجود ہیں۔ خطاطان ذیل کے قطعات بھی موجود ہیں۔

سلطان علی مشہدی، سلطان محمد خندان، زین الدین محمود، میر علی، محمود بن اسحاق الشہبانی، شاہ محمد نیشاپوری، محمد حسن کشمیری، محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی، عبدالرحیم عنبریں قلم۔

مرقع کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

"ایں مرقع نفیس بانیس خاص و ہمدوم و ہمزاز باختصاص نادرہ بانو بیگم دادہ شدہ"  
حررہ محمد دارا شکوہ ابن شاہجہان بادشاہ غازی سلطنت قیمت ہزار روپیہ لے

لے دارا شکوہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نمونے کتبے، وصلیاں اور دستخط شدہ کاغذات ہندوستان و یورپ کی مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو پروفیسر محفوظ الحق کے علم میں ہیں ان کا مختصر بیان درج ذیل سفینۃ الاولیاء :- اور نیٹل پبلک لائبریری پٹنہ مخطوطہ ۶۷۲ جس پر دارا شکوہ کے ہاتھ سے یہ نوٹ لکھا

لکھا ہوا ہے۔ "بذات کتاب سفینۃ الاولیاء حررہ محمد دارا شکوہ حنفی قادری ۱۰۵۰ھ"

قرآن شریف :- ورق الفزال پر لکھا ہوا ۱۰۵۱ھ جس پر یہ نوٹ بخط دارا شکوہ درج ہے۔

"کتبہ بندہ آختم دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ غازی در مقام شاہجاں آباد ۱۰۵۰ھ"  
شمس العلماء حافظ ندیر احمد جس نے یہ نسخہ عزیز آباد لائبریری حیدرآباد دکن میں خود دیکھا ہے۔

(باقی صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیے)

## رسالہ معارف

جیسا کہ اس رسالہ کے نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ لفظوں و معرفت کے متعلق ہے اس کا ذکر خزینۃ الاصفیاء کے مصنف مفتی غلام سرور نے داراشکوہ کی تصنیف کے طور پر کیا ہے اے عبداللطیف نے اپنی تصنیف "لاہور" بزبان انگریزی، میں بھی اسے داراشکوہ کی تصنیف بتایا ہے اے

اے لکھنؤ ایڈیشن ۱۸۷۴ء

اے لاہور عبداللطیف - ایڈیشن ۱۸۹۲ء صفحہ ۶۴

## بقیہ حاشیہ

بتاتے ہیں کہ تمام آیات سنہری حروف میں لکھی گئی ہیں اور اس کے صفحات منقش ہیں اس کے علاوہ ایک قرآن مجید جس پر داراشکوہ روزانہ تلاوت کیا کرتا تھا نواب حسام الدین حیدر سکنہ کوسیلہ بنگال کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ حاجی مظہر عالم رودلو کی اپنے سفرنامہ مظہری صفحہ ۹۸ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں :-  
نواب حسام الدین نے قرآن شریف کا یہ نسخہ مجھے دکھایا تھا۔ یہ مطلقاً و مذہب ہے اور عمدہ موٹے کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ اسی نسخے سے داراشکوہ تلاوت پاک کیا کرتا تھا اور اس پر شہزادہ کی مہر بھی موجود ہے۔ نواب مولانا نے یہ نسخہ آپ یورپین خاتون سے حاصل کیا تھا۔

پنجپور :- یہ پنجسورہ بہترین نسخے میں مطلقاً و مذہب بخط داراشکوہ بولر لاہور میں موجود تھا جسے بعدہ ذخیرہ کتب و کٹوریہ میموریز ڈن کھتہ میں منتقل کر دیا گیا۔

دہ پندرہ سطور :- یہ تعلق میں لکھا ہوا ہے جس کے حاشیے سنہری ہیں۔ دکتور یہ کلمتہ ڈن میرے محفوظ ہے۔

رسالہ حکمت ارسطو :- اسے داراشکوہ نے ۱۰۴۱ھ میں اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا اور اب اصفیہ

لاہور میں حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔

شرح دیوان حافظ :- یہ شرح سیف الدین ابوالحسن عبدالرحمان کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسے داراشکوہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اس کا نسخہ اصفیہ لاہور میں دکن میں موجود ہے۔

مثنوی سلطان ولد :- مولانا جلال الدین رومی کے لڑکے بہاؤ الدین کی مثنوی "سلطان ولد" پر داراشکوہ کے دستخط اور ایک نوٹ بھی لکھا ہوا ہے۔ ایچ بلوچ نے اس

نوٹ کا عکس مجلہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۸۷۲ء صفحہ ۲۸۲ پر شائع کیا ہے نمونہ یہ ہے۔

هو القادر

مثنوی سلطان ولد

بخط مبارک ایشیاٹک

راقرہ محمد داراشکوہ

وصلیاں :- داراشکوہ کی کتبہ وصلیاں مختلف ذخیرہ کتب اور بعض لوگوں کے پاس ذاتی ملکیت میں موجود

ہیں۔ ندوۃ العلماء بنارس کانفرنس ۱۹۰۶ء میں ایک وصلی دکھائی گئی تھی۔ ایک اور

وصلی دوسری تاریخ کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۰ء لاہور میں دکھائی گئی تھی۔ ایک وصلی پوڈین لاہور میں

آکسفورڈ جس پر ۱۰۴۶ھ کی تاریخ ہے موجود ہے۔ اسی طرح چوتھی کانفرنس منعقدہ دہلی ۱۹۲۲ء میں ایک

وصلی دکھائی گئی۔

## مثنوی :

داراشکوہ کی ایک فارسی مثنوی کا ذکر مجلہ "مخزن"، لاہور ۱۹۶۸ء اور مجلہ مجلس تاریخ پنجاب جلد ۲ شماره ۱ میں ملتا ہے کسی اور ادبی تاریخ یا تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

## تذکرہ :

پنڈت شیونرائن نے اپنے مضمون مجلہ مجلس تاریخ پنجاب جلد دوم ص ۱۱۱ سے داراشکوہ کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اس لیے یہ بیان مشکوک نظر آتا ہے۔

## دیوان داراشکوہ (اکسیر اعظم)

داراشکوہ کی فارسی نثر کی اکثر کتابیں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔ نثر نگار کی حیثیت سے وہ ایک جداگانہ اسلوب کا ادیب مانا جاتا ہے۔ اس کی متعدد نثری تصانیف کی روشنی میں یہ بر ملا کہا جاسکتا ہے کہ اسے زبان و بیان پر ہر قسم کے مفاہیم و مطالب کے ادا کرنے کے لیے بڑا عبور حاصل تھا۔ وہ مشکل اور پیچیدہ مضامین کو بخوبی مناسب پیرائے میں ادا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن اس کی شاعرانہ حیثیت ایک عرصہ تک پردہ خفا میں رہی جس کی وجہ سے اس کے دیوان کی ناباب تہی جہا سے پاس سوانح اشعار اور چند رباعیات کے جو مختلف ادبی تذکروں کی زینت تھیں اور کچھ نہ تھا۔ دیوان کا ایک ناقص نسخہ ظفر الحسن کلکیشن کراچی میوزیم میں تھا جس کے ناقص ہونے کے سبب وہ محققین کی عدم دلچسپی کا شکار رہا۔ کچھ عرصہ بعد پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ایک اور نسخہ معلوم ہوا۔ فہرست نگار نے اسے قیاساً مولانا عبدالقادر بدایونی کا دیوان لکھ دیا۔ اس میں سوائے "قادرسی" تخلص کے اور کوئی نشان مصنف کا نہ تھا۔ لیکن کراچی والے نسخے سے جب مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ داراشکوہ کا دیوان ہے جس کا تخلص قادرسی تھا۔

چنانچہ احمد نبی خان نے دونوں نسخوں کے تقابلی مطالعے کے بعد اسے ۱۹۶۹ء میں مرتب کیا اور ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور نے اسے شائع کیا ہے پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ زرکار اور مطلقا کاغذ پر خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ یہ ۱۰۰ اوراق پر مشتمل ہے

اور ہر ورق پر ۱۴ سطریں ہیں۔ اس میں ۲۱۰ غزلیں اور ۱۴۱ رباعیات ہیں۔

موجودہ نسخہ میں مولف نے دیگر ذرائع سے بعض غزلوں اور رباعیوں کا متن میں اضافہ کیا ہے جو دونوں نسخوں میں موجود نہیں تھیں۔ اور مختلف تذکروں یا داراشکوہ کی تشریحی کتابوں میں درج تھیں اس طرح موجودہ شائع شدہ دیوان میں کل ۲۱۵ غزلیں اور ۱۴۵ رباعیات کا ذخیرہ مرتب ہو گیا ہے۔

دیوان میں غزلوں اور رباعیات کا ایک ہی موضوع ہے جو داراشکوہ کا پسندیدہ ہے۔ یعنی تصوف کے گونا گوں مسائل، ان کی تشریحات، رموز و نکات، فلسفہ وحدت وجود اور ویدانت کے بیانات ہیں۔ یہی موضوعات اس کی تشریحی تصانیف میں جلوہ گر ہیں۔ اس کے علاوہ دیوان میں حمد و نعت کے علاوہ ان ادیبانے کرام اور صوفیانے عظام کو داراشکوہ نے خراج عقیدت پیش کیا ہے جو اس کی عقیدت کا مرکز تھے مثلاً سلسلہ نقسوف "قادر" جس میں وہ خود بھی بیعت تھا، اس کی یوں تعریف کرتا ہے۔

سلسلہ زلف با سلسلہ مابود : طالب آن رومی را خوشتر ازین مابود  
دست دریں سلسلہ بہر کہ زند قلب او : نرم شود بچو موم گر چہ او خارا بود  
سلسلہ قادر بیست آن کہ بحکم خدا  
بر ہمہ متاد بود تا ہمہ دنیا بود

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مدح میں یوں کہتا ہے :

حضرت میراں خداوند جہاں : غوث جن وانس شاہ عارفاں  
محمی دین شیخ عبدالقادر راست : آنکہ اورا عرش باشد آشتیاں  
رہنمائی شاہراہ احمدی : دستگیر حمد در ماندگان  
کی تو انم گفت من خود را مرید : قادرسی باشد سگت این آستان

سربخش بہاؤ الدین زکریا کی تعریف میں۔

قطب دنیا و دین بہاؤ الدین :: نقش بند لیتین بہاؤ الدین  
 و تادری سرکہ دامنش بگرفت :: دار حنلد بریں بہاؤ الدین  
 ملا شاہ بدخشی کی مدح سرائی میں :-

حضرت ملا شاہ آں شاہ ما :: کہ مرید حناس میاں میر بہت  
 ہر مسی راز رکند ارشاد او :: طالبان رافقر او اکسیر بہت  
 وحدت الوجود یا ہمہ اوست پردار اشکوہ نے بہت لکھا ہے۔ پورا دیوان انہی مضامین  
 سے بھرا پڑا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

خویشتن را جد نمی دامن :: یک خود را خدا نمی دامن  
 قطرہ را نسبتی کہ با بھراست :: بیشتر زیں روانی دامن

دیگر :-

گفت انا الحق و داد خود دوستوی :: دار گفت و کشید و خود را خود  
 در پس پردہ گفت گومی کرد :: پردہ برداشت و دید خود را خود  
 دار اشکوہ کی شاعری میں اخلاقیات کا عنصر نمایاں ہے۔ فقر اور اخلاق میں گہرا  
 ربط ہے۔ وہ ایسے اصول پیش کرتا ہے جو آفاقی اقدار اور ہمہ گیر افادیت کے حامل  
 ہیں وہ حب زر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ سچائی اور حقیقت کو اپنا درتہ سمجھتا ہے۔  
 خواہ وہ کہیں سے حاصل ہو۔ وہ انسان دوست ہے اور صلح کل اس کا پیغام ہے۔ وہ  
 ظاہر داری اور ریاکاری کو مکروہ عمل سمجھتا ہے۔ وہ کج بخشی میں نہیں پڑنا بلکہ حق و راستی  
 کے لیے رسوائی اور طعن و ملامت کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے نام نہاد ملاؤں سے  
 وہ نالا ہے اس نوع کی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سے دست زر آلود بدبومی شود :: جان زر آلود را احوال چہیست

۱۔ راز خود را بغیر دل تو مگوئی ۶ راز داری بغیر دل نبود  
 ۲۔ تو ہم اندر جہاں ہستی مسافر ۶ یعتیں میداں اگر ہستی تو ہو شہار  
 ۳۔ بقدر مال باشد سرگرانی ۶ بقدر بیچ باشد یار دستار  
 ۴۔ تو تا باشی بدنی باش آزاد ۶ ترا چون ستادری کردہ خبردار

غزلیات میں مضمون کی یکسانیت کی وجہ سے ایک عام قاری کے لیے دلچسپی کا کوئی سامان نہیں۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے اپنا دیوان اُن لوگوں کے لیے مرتب کیا تھا جو راہ سلوک کے راہرو تھے۔ گویا یہ دیوان ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں کی ترجمانی کے لیے تھا۔ تاہم بعض اشعار زبان و بیان کے اعتبار سے بڑے رواں دواں ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہے اظہار مدعا پیش نظر ہے بعض غزلیات سہل ممتنع کا نمونہ ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں

ہر کہ بدنام باشد مبارک باد ۶ کام بر کام شد مبارک باد  
 آنکہ در فکر کس نمی گنجد ۶ بادلت رام شد مبارک باد  
 مژدہ ہادہ بہ حمد صیاداں ۶ باز در دام شد مبارک باد  
 آفتابی کہ بود در پردہ ۶ بردر و بام شد مبارک باد  
 ستادری یار در برت آمد ۶ کار تو تمام مبارک باد  
 لب لعلت نبات راماند ۶ نطقت آب حیات راماند  
 زلف تو از دو جانب رخ تو ۶ شب قد و برأت راماند  
 ہر کہ در خوشتن ترا بیند ۶ رویت بے جہات راماند  
 مثل تو در جہاں کجا جویم ۶ ذات تو عین ذات راماند  
 چون کنم سجدہ سولے ابرویت ۶ ہمہ گویند صلوات راماند  
 تا تو جا کردہ اسی درون دلم ۶ دل من سو منات راماند

دیگر

قادرسی بے صفت جو گشتی تو  
 صفتت آن صفات راماند

دیگر سے ہر خم پچی کہ شد از تاب نلف یار شد : دم شد زنجیر شد تسبیح شد ز نار شد  
 خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود : چوں بہ زلف اور سید آخر پر لیشانی کشید  
 اس خیال سے ہم متفق نہیں کہ داراشکوہ نے اپنی شاعری کے لیے موضوع اور اسلوب دونوں  
 ملا شاہ کے یہاں سے مستعار لیے ہیں اے حضرت ملا شاہ چونکہ داراشکوہ کے روحانی مرشد  
 تھے لہذا ان کے خیالات، عقائد اور فلسفیانہ رموز و اسرار کی تشریحات وغیرہ کے اثرات  
 کا اپنے مرید داراشکوہ کے ذہن و قلب پر مرتب ہونا قدرتی اور فطری امر ہے لیکن یہ بھی  
 ذہن میں رکھنا چاہیے کہ داراشکوہ کا مزاج اور طبعی رجحان ابتدائے عمر سے روحانیت  
 کی طرف مائل تھا۔ اُسے ایسے ایسے نکات سوچتے تھے کہ اس کے سمعہ وں کے بس کی بات  
 نہ تھی سوچ بچار اور فکر و تدبیر میں داراشکوہ کا ذہن کو رانہ تقلید کا قائل نہ تھا بلکہ اس میں  
 ایک ایچ اور مسئلہ کی نہ تک پہنچنے کی کوشش نمایاں ہوتی تھی۔ دوسری بات یہ کہ حضرت  
 ملا شاہ نے شاعری بہت بعد میں شروع کی اور تقریباً ۲۰ برس کی ریاضت و عبادت کے بعد  
 جب وہ سعادتِ کامل حاصل کر چکے تو ان کی طبیعت خود بخود موزوں ہو گئی ان کا اپنا بیان ہے کہ  
 ”آخر سعادت کے تمام مرتبے مجھ پر ظاہر ہوئے اس وقت میری طبیعت بھی موزوں  
 ہوئی اور شعر گوئی کے لیے زبان کھل گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی شعر نہیں  
 کہا تھا۔“

اس کے بعد حضرت ملا شاہ، حضرت میاں نجو کی اجازت سے لاہور سے رخصت ہو کر  
 کشمیر میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ یہ گویا ان کی زندگی کا پختہ اور آخری دور تھا۔ ان حالات  
 میں حضرت ملا شاہ کی شاعری کا اثر کہاں ہو سکتا تھا۔ جبکہ شہزادہ داراشکوہ کا ذوق  
 شاعری بہت پہلے سے نمایاں ہو چکا تھا۔ بلکہ حضرت ملا شاہ نے ایک مکتوب میں  
 داراشکوہ کی شاعری کی داد دی ہے۔ داراشکوہ نہ صرف ایک سخنور تھا بلکہ بہترین

لے مقدمہ دیوان داراشکوہ مرتبہ نبی احمد خاں



سخن فہم بھی تھا۔ اسانذہ قدیم کے سینکڑوں اشعار اسے از بر تھے۔ اس کا جملہ کتب میں اشعار کی فراوانی نظر آتی ہے اور وہ شعر کا بر محل استعمال بھی جانتا تھا یہ تمام آثار اس کے ذوق شاعری اور موزونی طبع پر دلالت کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ ”اس کی شاعری تغزل سے بالکل نا آشنا ہے“ لے اپنی جگہ درست ہے لیکن ہمیں اس کی افتاد طبع اور اس کے مخصوص رجحانات و میلانات اور اس کے ماحول کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ان حقائق کی روشنی میں اگر دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو تصوف الہیات کے مسائل اور اس کے متعلقات کا بیان جس سہل زبان اور انداز میں داراشکوہ نے کیا ہے وہ ضرور قابل التفات ہے۔ اس میں ادبی نشان بھی پائی جاتی ہے جسے صاحب غزلوں کے مطلعے بڑے جاندار ہیں اس کی ردیفیں ایک آہنگ اور مرکزیت لیے ہوئے ہیں۔ تکرار الفاظ بھی مزہ دے جاتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مخصوص ذہن کا قاری ہی اس سے مستفید ہو سکتا ہے اس ضمن میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُس نے ہم عصر اور مشابہ شعرائے فارسی کی روایات اور روش سے ہٹ کر بڑی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ جہاں غزل اور تغزل کا چرچا تھا اور اسے قبول عام کی سند حاصل تھی وہاں داراشکوہ نے اس طبقے کے لیے شاعری کی جو درباروں کی بجائے خانقاہوں سے وابستہ تھا۔ ان کی اپنی دنیا تھی جو عوام کے مذاق سے جدا مقام رکھتی تھی۔

داراشکوہ نے جہاں اولیائے کرام کی ارادت کے اظہار میں لکھا ہے وہاں اس کا قلم بڑا سبک و نظر آتا ہے۔ الفاظ بولنے محسوس ہوتے ہیں۔ جذبے کی فراوانی نے شدت تاثیر پیدا کر دی ہے۔ ایک دوسرے نقاد کی رائے ہے :-

” دیوان قادری اپنے دور کی فارسی شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے زبان صاف و شستہ، خیالات صوفیانہ، انداز میں سمرسنی جیسے یہ خیالات شاعر

کے رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں، ما  
 دور شاہ جہان کے ایک مشہور شاعر بزرگ حضرت ابشاں تھے۔ آپ کا نام محمد اور عرف  
 خواجہ خاند محمد محمود تھا۔ کشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ کو آپ سے فروغ ملا۔ مغلیہ دورہ لاہور میں  
 رہائش تھی۔ آپ بڑے محدث اور مفسر بھی تھے۔ ۱۰۵۲ھ میں فوت ہو کر یہیں دفن ہوئے  
 داراشکوہ نے ان کا مرنیہ لکھا ہے جو درد و اثر سے بھرا ہوا ہے۔

چوں نہ باشد آسماں با چشم تر : چوں سفر فرمود شیخ بگردہ  
 شیخ ہفت اتلیم طاؤس خرام : پیشوائے اولیائے معتبر  
 آن محمد کز منی آمد بروں : اہل شرق و غرب را گردیدہ سر  
 روز و شب می گرد بہ گرد حرم : کاں چناں گردش نیاید از بشر  
 اولیاء را مرگ می باشد حرام : لا یموتون ہست چوں اندر خبر  
 دو ہزار و پنچ و دو چوں رفت او : روز سہ شنبہ و پنج از صفر

فتادری گریاں بمانداز ہجراد

گرد از دارے بدارے چوں سفر

بہشت آنجا کہ ملائے نہ باشد : زملا بخت و غوغائے نہ باشد  
 جہاں حنالی شود از شور ملتا : زفتوا لاشس پر دوائے نہ باشد  
 در آن شہرے کہ ملتا خانہ دارد : در آنجا بیچ دانائے نہ باشد

بیس اے فتادری توروئے ملا

مرو آنجا کہ شیدا ئے نہ باشد

مفتی غلام سرور رقمطراز ہے :

”سخنیں دریائے توحید است کہ از زبان گوہر افشاں اور واں گنشتہ و باخوڑ شد

و احدانیت است کہ از افق بسان مطلع النوارش طلوع شدہ۔ مغزی باید کہ  
سخنش را بہ فہم و دلے باید کہ معانی آن دروے امکاں پذیرد۔ و دوسے  
تمام عمر خود در معرفت حق گزارید۔ آخر ازین دارنا پاند ارموانہ رفت و شہادت  
یافت۔ لے

داراشکوہ کی سخن فہمی، شعراء کی پرورش اور اہل علم و فن کی سرپرستی کے بارے میں  
بھی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ وہ اچھے شعر کو دل کھول کر داد دیتا تھا میرضی دانش جو داراشکوہ  
کے زمرہ ملازمین میں بھی تھا اس کا یہ شعر ہے۔

تاک را سیرب کن لے ابر نیساں در بہار

قطرہ تاملے میتواند شد چرا گوہر شود

اتنا پسند آیا کہ ایک لاکھ روپیہ انعام میں ہجرت فرمایا اور اسی طرح میں ایک شعر خود بھی کہا:

سلطنت سہل است، خود را آشنائے فقر کن

قطرہ تا دریا تو اند شد چرا گوہر شود

سرخوش اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے:

” داراشکوہ قادری ملقب بہ شاہ بلند اقبال، خوش خلق، خوش رو، منحل و

صوفی مشرب فقیر دوست۔ موجد محقق بودہ۔ طبعی بلند و ذہنی رساداشت

مطالب صوفیہ را در رباعی و غزل منظوم میکرد۔۔۔۔۔ در علم تصوف تصانیف

عالی دارد۔ سوالہائے دقیق نوشتہ۔ دیوان مختصر از و جمع شدہ۔“ لے

لے خزینۃ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور۔ جلد اول ص ۱۷۵

۷۲ تذکرہ کلمات الشعراء۔ سرخوش ص ۸۹

## مجمع البحرین

یہ کتاب داراشکوہ نے ۱۰۶۵ھ میں لکھی جبکہ اس کی عمر ۴۲ سال کی تھی اے یہ اس کی آخری تصنیف ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ شہزادے کی دیگر تصانیف سے اس کے خیالات اور عقائد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ تصوف سے لگاؤ اور اولیائے کرام سے روحانی عقیدت اسے ہمیشہ سے رہی ہے۔ اسلام کو صوفیاء کی تربیت میں اس نے سمجھنے اور پالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

داراشکوہ نے ۱۰۵۸ھ میں ملاشاہ بدخشی کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان کی تربیت میں سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے لگا۔ ملاشاہ کا احوال گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہو کہ ان کا مسلک اہل ظاہر کا نہ تھا۔ بلکہ ریاضت و مجاہدہ کے سبب یہ گویا تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ اکثر حالتِ وجد و جذب طاری رہتی، چنانچہ ان کی مصاحبت میں غیر مسلم جو یاے حق بھی موجود رہنے اور یہ اپنی وسیع قلبی اور کمال انسانیت کے سبب سب کو معرفت و حقائق سے مستفیض کرتے۔ دارا کو ان کی مجلسوں میں دیگر مذاہب کے عالموں اور محققوں سے منتفع ہونے کا نہ صرف موقع ملا بلکہ اس کے دل میں دیگر مذاہب عالم کو کھنگالنے اور پرکھنے کی خواہش بھی پیدا ہوئی۔ دارا کا خیال تھا کہ سچائی ہر مذہب میں موجود ہے اور یہ کسی ایک مذہب کا ورثہ نہیں۔ اس غرض کی تکمیل کی خاطر دارا نے زبور، توریت، انجیل اور زرتشتی کتب کا مطالعہ بھی کیا۔ حسنات العارفین ۱۰۶۲ھ کی تصنیف بھی اسی تحقیق کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دارا کو جو ولی عہد سلطنت بھی تھا، کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ چنانچہ جہاں وہ شاہ دلربا اور مولانا محب اللہ سے شکوک و شبہات کا ازالہ کروانا چاہتا،

۱۔ مجمع البحرین کا آخری حصہ: "الحمد للہ والمنة کہ توفیق اتمام رسالہ مجمع البحرین یافتہ شد در سنہ یکہزار و شصت و پنج ہجری نبوی کہ پہل و دویم از سنین عمر این فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ بود۔ والسلام"

وہاں بابا لعل بیراگی سے بھی جستجو لے حن کے لیے بحث و تمحیص کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہی جستجو اور فکر و تدبر اسے ہندو مذہب کی کتابوں کے مطالعے اور ترجمے پر راغب کرتا ہے۔

مجمع البحرین سے قبل ہندو مذہب کے بارے میں داراشکوہ علمی اعتبار سے بہت کچھ جان چکا تھا اپنشد کے بعض ابواب کے تراجم (سراکبر) بھگوت گیتا کا ترجمہ، جوگ بشت کا ترجمہ وغیرہ ایسے علمی اور تحقیقی کام تھے۔ کہ اب داراشکوہ اسلام اور ہندومت کے اصول و عقائد پر خود شہرہ و بسط سے گفتگو کر سکتا تھا۔ چنانچہ مجمع البحرین انہی دو بڑے مذاہب کو سمجھنے اور افہام و تفہیم کے ذریعے انہیں ملانے اور ربط دینے کے لیے تصنیف کی گئی۔ اس لحاظ سے یہ غالباً پہلی اور آخری کوشش ہے۔ بین المذاہب اختلافات، موافقات اور مماثلات کے مطالعہ کے لیے دارا کی یہ کوشش بڑا جرات مندانہ اقدام تھا۔ کیونکہ اہل تحقیق کا اب یہ خیال ہے کہ اسی کتاب کی پاداش میں، اس پر تکفیر کا فتویٰ لگا کر اسے قتل کیا گیا۔ قبل اس کے کہ مذہب کے ٹھیکیداروں نے دارا کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا محاکمہ کیا جائے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجمع البحرین کے مضامین اور داراشکوہ کے سبب تصنیف پر نظر ڈالی جائے۔

مجمع البحرین کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے اس کے بعد داراشکوہ لکھتا ہے،

”فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ کہتا ہے کہ جب اس کو حقیقت الحقائق اور

صوفیائے کرام کے مذہب پر حقیق کے رموز و حقائق معلوم ہو گئے اور یہ فقیر

اس نعمت عظمیٰ پر فائز ہو گیا تو میں اس بات کے درپے ہوا کہ ہندو فقراد کا

مشرب اور طریقہ کا زہی دریافت کروں۔ چنانچہ اس قوم کے بعض محققوں

سے کسی بار گفتگو ہوئی اور میں نے انہیں خدا رسیدہ پایا۔ مجھے صوفیائے

کرام اور جوگیوں میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی فرق معلوم نہیں

ہوتا چنانچہ میں نے فریقین کے کلام میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے

یہ رسالہ لکھا اور اس کا نام مجمع البحرین رکھا۔ لے  
مجمع البحرین کے ۲۲ ابواب ہیں اور ان کا بیان بڑا مختصر لیکن مدلل ہے الہیات اور کائنات  
کے اسرار و رموز کا بیان ہے عنوانات یہ ہیں۔

”بیان عن صر، حواس، شغل، صفات اللہ تعالیٰ۔ روح، بادیا، عوالم اربعہ  
آواز، نور، رؤیت، اسمائے اللہ تعالیٰ، نبوت و ولایت، برہانہ، جہات  
آسمانہا، زمین، قسمت زمین، عالم برزخ، قیامت، مکت، روز و شب  
اور بے نہایتی ادوار۔“

ان عنوانات سے کتاب کی اہمیت اور مسائل کی نوعیت بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے۔ جب سے  
یہ کائنات عالم وجود میں آئی ہے تب سے اہل علم و فکر اس قسم کے مسائل سے دوچار ہیں۔  
ہر زمانہ میں مفکرین اور مدبرین عقل و وجدان دونوں سے کام لے کر ان کا حل اور جواب  
پیش کرتے رہے ہیں۔ جہل مذاہب میں ان کی تفصیل و تشریح اپنے اپنے انداز میں موجود  
ہے لیکن یہاں داراشکوہ نے ہندو مذہب کی کتابوں اور اسلام کے حوالے سے ان نازک  
مسائل کو بیان کیا ہے دارا کا خیال ہے کہ ہندو مذہب قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے  
اور اس کی کتابیں وید مقدس وغیرہ آسمانی اور الہامی ہیں۔ ہندومت بنیادی طور پر

لے ”اما بعد میگوید فقیر بے حزن و اندوہ محمد داراشکوہ کہ بعد از دریافت حقیقت الحقائق و تحقیق رموز و  
حقائق مذہب برحق صوفیہ فائز گشتن بایں عطیہ عظمیٰ در مدد آں شد کہ درک کند مشرب موعدان ہند  
و بالبعنی از محققان این قوم و کاملان ایشان کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک و فہمیدگی و غایت تصوف و  
خدایابی رسیدہ بودند مکرر صحبتہا داشتہ و گفتگو نمودہ۔ جز اختلاف لفظی در دریافت و شناخت  
حق تفاوتی ندید۔ ازین جہت سخنان فریقین را باہم تطبیق دادہ و بعضی از سخنان کہ طالبان حق را در استن  
آن ناگزیر و سود مند است فراہم آوردہ رسالہ ترتیب دادہ و چون مجموعہ حقائق و معارف دو طائفہ حق  
شناس بود لہذا بمجمع البحرین موسوم گردیند“

توحید کا تصور رکھتا ہے اور اس کے عالم اور جوگیوں میں روحانی ریاضت اور معرفت کی جستجو بہت زیادہ پائی جاتی ہے توحید کا تصور ہندوؤں کی تمام کتابوں میں موجود ہے مسلمان صوفیائے کرام کی طرح ان کے ہاں وحدت الوجود کا نظریہ بڑا راسخ ہے۔ اپنشدیوں کے ترجمے کے سبب، داراشکوہ کے خلاف بد عقیدہ ہونے کے الزام عائد کئے گئے۔ حالانکہ داراشکوہ نے علمی تحقیق کیلئے اپنشدوں کے مفاہین کی چھان بین

کی ہے۔ سنسکرت ادب میں اپنشدوں کی سب کتابیں علم و عرفان کا خزانہ تسلیم کی جاتی ہیں اور اس کا خاص موضوع علم الہیات ہے، ان کے مفاہین سبھی اہل علم کو خواہ وہ کسی مذہب سے متعلق ہوں متاثر کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ مباحث میں کسی ملک کی اور غیر ملکی عالموں کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔

اپنشدوں میں بنیادی طور پر مسئلہ توحید (وحدت الوجود) کی توضیح کی گئی ہے اپنشدوں کی توحید کا حاصل یہ ہے کہ ماسوا یعنی انسانی نظر سے دکھائی دینے والی یہ پوری دنیا یا محسوس کثرت حقیقی نہیں ہے اور ان تمام چیزوں میں حقیقتاً ایک خدا ہی کی ذات جلوہ گر ہو رہی ہے۔ چنانچہ روح انسانی پر چھپایا ہوا مجازی پردہ اگر اٹھ جائے تو دکھنے والے کی نظر میں خدا کی ہستی کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔

اپنشدوں کے مطابق انسانی روح کو اگر اس کی حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ خدا کی غیر نہیں ہے لیکن اس نے اپنی کرشمہ ساز اعتباری قدرت سے اراداً تابلوشیدہ ہو کر اور ان نمائشی بھول بھلیوں کو واقعی سہی بنا کر اپنے اوپر خیالی لاعلمی طاری کر لی ہے۔ لہذا جب تک حقیقی علم کے ذریعے سے ان غیر واقعی بھول بھلیوں کا قلع قمع ہو کر اور خدا کی اندرونی بنیادی وحدت کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس وقت تک کسی کی بھی اصلی نجات نہیں ہو سکتی نیز اندرونی وحدت یعنی روح اور خدا کو از روئے حقیقت ایک ہی محسوس کرنے کا نام وحدت الوجود ہے اور اس مسئلہ کا دار و مدار صرف اس یقین پر ہے کہ ایک خالص قدیم اور منزه خدا کے سوا اور کسی کا وجود دراصل حقیقی وجود نہیں ہے۔

ذیل میں اپنشد الیشن کے ایک منتر کی عبارت ملاحظہ کیجئے۔

”تمام کائنات میں جو کچھ ساکن اور متحرک دنیا موجود ہے یہ سب ہستی ربانی سے  
ڈھک دینے کے قابل ہے ترک کی ہوئی اُس دنیا کے ذریعے سے تو اپنی پرورش

کرے“ اے (ترجمہ بحوالہ آئینہ حقیقت از حبیب الرحمن شائستری)

اس منتر میں بعض اصولی اور بنیادی باتیں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً ان سب محسوس دنیاوی چیزوں  
کو پریشور کی ہستی سے ڈھانپ دینا چاہیے یعنی خدا کی حقیقی ہستی کے مقابلے میں دنیا کی  
اس محسوس کثرت کو کالعدم سمجھ لینا چاہیے۔ کثرت مذکور کو کالعدم سمجھ لینے کی وجہ سے دل سے  
گرمی ہونی چیزوں سے ہٹ کر اپنی عالمگیر روح (آتما) کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ مطلب یہ  
ہے کہ جب دنیاوی چیزیں نظر انداز ہو کر دل سے گرجائیں گی تو ان سے گہری وابستگی بھی باقی  
نہ رہے گی اور اس وجہ سے ناجائز خواہشات بھی ختم ہو جائیں گی جو عالمگیر روحانیت اور آفتاب  
حقیقت کا حجاب بن کر قلب انسانی پر چھپائی رہتی ہیں۔ اس پردے کو ہٹا کر اپنی روحانیت  
کو نمایاں کرنا ہی اس کی پرورش کرنا یعنی اس کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

دنیاوی چیزوں کو ہستی ربانی سے ڈھک دینا یوں ہے کہ ڈھکنا صرف ہادی چیزوں  
سے ہی نہیں ہوتا بلکہ صحیح اور سچے علم کے ذریعے سے بھی غلط علم کو ڈھانکا جاسکتا ہے جیسے کسی  
نے رات کے اندھیرے میں پڑھی ہوئی رستی کو نظر کی غلطی سے سانس سمجھ لیا تو وہ خوف سے کانپنے  
لگا لیکن جب ٹھیک توجہ اور روشنی کی مدد سے اس پر اصل حقیقت کھل گئی تو اس کے دل سے سانس  
کی غلط ہستی اس طرح غائب ہو گئی جس طرح پردہ ڈھکنے پر ڈھکی ہوئی چیز غائب ہو جاتی  
ہے۔ چنانچہ غرض یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں کے غلط علم کو عرفان الہی کے علم سے ڈھانپ  
دیا جائے۔

اپنشدوں کی اس تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں جلوہ ربانی دیکھا جائے کیونکہ دنیا  
کی موجودہ صورتیں اور شکلیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثل اور کامل قوت اعتباری یا اپنی  
کرشمہ ساز قوت خیالی سے آراستہ کر دی ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف



حیثیتیں اور نام تو بول چال کی سہولت کے لیے ہیں۔ اصل میں صاحبِ حیثیت (جس پر یہ حیثیتیں عارضی ہوتی ہیں) اسی کا وجود واقعی اور حقیقی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اپنشدوں کی بہت سی شرتیاں (آیتیں) اشارہ کرتی ہیں مثلاً:

”یقینی طور پر خدا ہی دنیا کی شکلوں اور ناموں کو (خارج میں) روشن اور نمایاں کرنے والا ہے اور یہ دونوں (شکلیں اور نام) جس کے اندر (علم میں) موجود ہیں وہی خدا ہے۔“

ان شرتیوں اور دیگر نشا ستروں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کے علم میں یہ تمام دنیا صورِ علمیہ کی حالت میں پہلے ہی موجود تھی جس کو بھاگوت گیتا اور ہندو شاستروں میں وراٹ سوروپ کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس دنیا کے ظاہری کو اسی کا عکس بتایا گیا ہے۔ مذکورہ صورِ علمیہ کو جب خدا نے عالم ظاہر میں پیدا کرنا چاہا تو ان کو زبردست قوتِ اعتباری کے ذریعے سے خواہاں ہیں اصلی معلوم ہونے والی چیزوں کے مانند اپنے علم سے باہر نمایاں کر دیا جیسا کہ خاص طور پر تیتیری اور پنشد میں موجود ہے۔

”اوس الیشور نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں اور دنیا کی طرح طرح کی صورتوں کے ذریعے سے کثرت میں آجاؤں تب اس نے زبردست اعتباری ارادہ سے کام لیا اور اسی کے ذریعے سے یہ جو کچھ ہے (سب) پیدا کر دیا اور پیدا کرنے کے بعد اسی میں داخل ہو گیا۔“

اب یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ پیدائش سے پہلے کل دنیا خدا کے علم میں ہونے کی وجہ سے ذاتِ خداوندی کے پردے میں تھی اور صرف وحدت ہی وحدت نمایاں تھی لیکن مذکورہ بالا عنایت مفروضہ کے ذریعے دنیا کو باہر ظاہر کرتے وقت خدا تو چیزوں کے پس منظر میں مخفی ہو گیا اور شکلوں و ناموں کے اختلاف سے پیدا ہونے والی غیریت اور کثرت کا احساس پیش منظر میں آ گیا۔ اس کی تشریح گیتا کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

”اے ارجن! ایشور تمام جانداروں کے ہرے (باطن) میں موجود ہے اور  
 مشین پر چڑھی ہوئی تیلیوں کی طرح سب چیزوں کو گھما رہا ہے۔“

اب یہ مسئلہ لویں حل کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اوپر کا مصنوعی احساس اور غیریت  
 کا خول، اندرونی حقیقی احساس و وحدت سے اتار پھینکا جائے۔ جیسا کہ حضرت فرید الدین  
 عطارؒ نے فرمایا: ”آنکھ کھول کیونکہ دلدار کا جلوہ در و دیوار (کل کائنات پر چمک رہا ہے)“

اہل ہنود کی کتابوں کے علاوہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا تصور دیگر مذاہب میں بھی  
 کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ آسمانی مذاہب میں تو توحید کا عنصر بنیادی اہمیت کا  
 حامل ہے اور جملہ الہامی کتابوں میں خالص توحید کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں شک  
 نہیں کہ ان کتابوں میں امتداد زمانہ کے ساتھ تحریف کا عمل بہت زیادہ ہوا اور آج کوئی  
 کتاب بھی اپنی اصلی شکل اور تعلیم کے لحاظ سے نہیں ملتی، تاہم تحقیق و تجسس کرنے  
 والوں کے لیے ان بنیادی عوامل اور عناصر کا تلاش کر لینا چنداں مشکل نہیں۔ مثلاً اہل  
 کلیسا کا مشہور عقیدہ توحید فی الثلیث اور تثلیث فی التوحید کے دراصل وحدت الوجود  
 ہی کی ایک شکل ہے۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص بازار میں تین مٹی کے  
 کھلونے دیکھتا ہے جو مختلف شکلوں اور ناموں کے ہیں۔ اگر ظاہری شکلیں دیکھیں تو تین  
 چیزیں نظر آئیں گی۔ اور حقیقت میں نظروں سے دیکھا جائے تو ایک چیز یعنی مٹی نظر آئے گی  
 اور دوسری شکلیں غائب ہو جائیں گی چنانچہ بائبل کی تعلیم بھی خدا اور مخلوق کے درمیان  
 غیریت کی نفی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اسی طرح زرتشتی یعنی پارسی مذہب میں بھی خدا  
 کا اعتبار ہی دنیا کی پیدائش کا اصل ٹھہرتا ہے جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب ”ساتیر“  
 میں موجود ہے۔

لے چشم بکشا کہ جلوہ دلدار، متجلی است بر در و دیوار (از قصیدہ عطار)

لے ایک ہونے پر بھی تین اور تین ہونے پر بھی ایک۔

”لے خدا۔ آپ ہی سب سے پہلے ہیں۔ آپ سے پہلے کچھ نہ تھا۔“

اس کے علاوہ نہ صرف یہودی، شنسٹو اور تاؤ دھرم میں خدا کو واحد بتایا گیا ہے بلکہ ہر مذہب میں خدا کے ایک ہونے کا عقیدہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پایا جاتا ہے۔

صوفیائے اسلام نے بھی اسی طرح کے خیالات و عقائد کا اظہار کیا ہے۔ اور قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کے حوالے سے وحدت الوجود کے مسئلہ کو قطعی طور پر ثابت کیا جاسکتا ہے قرآن کا ارشاد ہے:

”کہ جب خدا کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ تو ہو جا۔“

پس وہ پیدا ہو جاتی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے علم میں دنیا کی تمام شکلیں موجود تھیں ورنہ تو ہو جا، کیسے کہا

جاسکتا تھا جبکہ لفظ ”تو“ کی مخاطب کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے

”کہ خشک اور نر کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا کے علم میں موجود نہ ہوئے اور اسی

طرح فرمایا ”کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ ذکر کی ہوئی چیز نہ تھا“ چنانچہ پیدائش

سے پہلے انسان کو علم الہی میں بھی معدوم مانا جائے تو قرآن کا ارشاد کہ اس پر ضرور ایسا وقت آیا

غلط ہو جائے گا کیونکہ جب وہ سرے سے تھا ہی نہیں تو اس پر وقت کیسے آتا۔ اس لیے ان

آیات کی روشنی میں امام غزالی اور ابن عربی وغیرہ نے دنیا کی شکلوں کو ان کے خارجی ظہور سے

پہلے ہی خدا کے علم میں موجود مانا ہے تفسیر ابن عربی میں ہے: ”ہر چیز جو دنیا میں پیدا ہوتی

ہے اس کی شکل پہلے ہی سے عالم روحانی میں موجود ہوتی ہے۔“

۱۔ اذ اراد اللہ شیئاً فانما یقول له کن فیکون۔ (سورہ یسین)

۲۔ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (سورہ الغام)

۳۔ هل اتی علی الانسان حین من الدهر لیسر لیکن شیئاً من مذاکوزہ (سورہ دھر)

۴۔ تفسیر ابن عربی مطبوعہ مصر ص ۲۶۔ اذ کل ما یحدث فی العالم الکنون له صورۃ

قبل التکوین فی عالم روح الذی هو عالم قضاء السابق۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ آیت "اللذ نور السموات والارض" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں  
 "آسمان وزمین (کل عالم) اللذ تعالیٰ کے نور کے ذریعے عدم کے اندھیرے سے نکل کر  
 دنیائے ظاہری میں نمودار ہوئے ہیں۔" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پیدائش عالم  
 اللذ کے اعتباراً عظیم اور صفتِ علمی ہی کے ذریعے سے موجودہ شکل میں ظاہر ہوا ہے  
 نہ کہ اس کے ذاتی نور سے۔ اگر پیدائش میں صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء میں  
 سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کو حق تعالیٰ کی ذاتی  
 شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ  
 حاصل نہ ہوتا۔" لے

حضرت مجدد صاحب مکتوب ۴۴ دفتر دوم میں فرماتے ہیں :-

"اور یہ جو میں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے اس کو (عالم کو) مرتبہ حس و دہم میں پیدا  
 فرمایا ہے یعنی اشیاء کو اس مرتبہ میں ایجاد کیا ہے کہ اس مرتبہ کے لیے حس و  
 دہم کے سوا کوئی حصول و ثبوت نہیں جس طرح شعبہ بازغیرہ واقع چیزوں  
 کو واقع ظاہر کرے اور ایک چیز کی دس چیزیں دکھائے۔ ان دس چیزوں  
 کا ثبوت و حصول و دہم و حس کے سوا نہیں۔" لے

حضرت مجدد صاحب، ایک اور مثال میں موجوداتِ عالم کو پہاڑ یا آسمان کی صورت  
 میں، جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو آئینہ

لے مکتوب ۲۶ دفتر سوم۔ "اگر توسط صفات ذب و حصول شی از اشیاء متصور نہ باشد زیرا کہ اشیاء را در  
 سطوات آئینہ انوار حضرت ذات تعالیٰ اول قدس جز ہلاک و فنا و انحراف و الفہم نصیبے"

لے "و آنکہ گفتیم کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ انرا در مرتبہ حس و دہم خلق فرمودہ است یعنی اشیاء را در مرتبہ  
 ایجاد فرمودہ است کہ آن مرتبہ را حصول و ثبوتے نیست مگر در حس و دہم در رنگ آنکہ شعبہ بازغیرہ چیز ہائے  
 غیر واقع را نماید و یک چیز را وہ چیز نماید آن وہ چیز حصولی نیست مگر در حس و دہم و نفس امر جز یک چیز موجود نیست"

میں منعکس صورتوں کو اجسام خیال کرے گا اور جو سمجھ کر قائم بذات خود جانے گا۔ چنانچہ اسی طرز  
 ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات آئینہ کی ان صورتوں کی طرح ہیں اور تماثیل سے  
 زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ اپنے ایک مکتوب میں بعنوان "رقعہ وہی" دنیا کے نمائشی اور  
 اعتیاری وجود کو ثابت کرنے کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں :-

"شغلہ جو آلہ کو جب لڑکے تیزی سے گھاتے ہیں تو اگر کچھ خارج میں کوئی دائرہ نہیں  
 ہونا مگر مرتبہ و ہم و حس میں کھلے طور پر دائرہ محسوس ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے  
 کہ عالم کا وجود خارج میں محض و ہم کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اصل میں  
 سوائے خدا کے کوئی بھی دوسری چیز صحیح معنوں میں موجود نہیں ہے۔" لے  
 موجودات عالم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی "فیصلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود"  
 میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ فیصلہ کے صفحہ ۱۳۰ میں لکھتے ہیں

"اور جو کچھ ما سوا اللہ کا وجود محسوس اور دکھائی دیتا ہے وہ وہی اور اعتیاری  
 ہے۔ مثلاً بہت سی اشیاء انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں اور ان کے آثار تک مرتب  
 ہو جاتے ہیں مگر فی الواقعہ اور نفس الامر میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔" لے  
 بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم کے سامنے لبید ابن ربیعہ شاعر نے آکر پیش  
 پڑھا "آگاہ ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے" یعنی جھوٹی ہستی رکھتی ہے۔ اس کو سن کر  
 حضور صلعم نے فرمایا۔ "یہ سب سچا قول ہے جو شاعر نے کہا ہے۔" لے نیز یہ حدیث "کہ جس نے

لے مثال آن نقطہ جو الہ و دائرہ مہموم است کہ موجود ہماں نقطہ است و لبس و دائرہ در خارج معدوم است و تاعی و نشا  
 در خارج ندارد و معدولت آن دائرہ در مرتبہ حس و وہم ثبوتے پیدا کردہ است۔۔۔ الخ

لے فیصلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۳

سے :- الاکل شیبی ما سوا علی اللہ باطل

لے :- اصدق قول ما قال الشاعر (بخاری شریف)

اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔“ اے سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کی ہستی اور رب حقیقت میں تو ایک ہی چیز ہے لیکن وہی فرضی غیریت اور کثرت بینی کا مہنوی غلاف اور ڈھ لینے کی وجہ سے نمائشی نمود اپنی حقیقت سے الگ محسوس ہونے لگی ہے۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب ”کیمیائے سعادت“ میں توحید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو تھے درجے کی توحید یہ ہے کہ انسان ایک کے سوا دوسرے کو دیکھے ہی نہیں۔ ساری دنیا کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی سمجھے۔“ ۷۲

اس قول سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دوسری چیزوں کی ہستی محض خیالی ہے اور حقیقتِ حال کھلنے پر معدوم ہو جاتی ہے۔ حضور صلعم نے ہجرت کے وقت محاصرہ کرنے والے مخالفین پر کنکریاں پھینکیں اور وہ لوگ اندھے ہو گئے۔ چنانچہ اس کے متعلق قرآن فرماتا ہے: کہ اے پیغمبر جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔ اے اس آیت شریفہ میں آنحضرت صلعم کے فعل کو اللہ کا فعل اور اللہ کے کام کو آنحضرت صلعم کا کام کہا گیا ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ آپ صلعم کی ہستی اور اللہ کی ہستی کو ایک حیثیت سے علینیت اور دوسری حیثیت سے غیریت تسلیم کیا جائے۔

۷۳ اے ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے دہل: خواہ اس اس بزرگبری میں تھا حرف مشدود کا (شہیرا) گزشتہ اوراق میں جو بحث کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پیدائش عالم اللہ تعالیٰ کی زبردست اعتباری قوت سے ہوئی ہے اور یہ مستحکم نہیں بلکہ ظلی اور مرتبہ و ہم و حس میں ہے

۷۴ اے من عرف نفسه فقد عرف ربه

”بلکہ صافی باکمال توحید چہارم است کہ در حق ماند و بس و جزیکے رانہ بنید و خود را بنیز فراموش کنند و در حق دیدار خود نیست شود چنانکہ دیگر چیز با نیست شد در دیدار او۔“ کیمیائے سعادت ص ۵۵ مطبوعہ

مدرسہ عالیہ کلکتہ ۱۲۵۳ھ

۷۵ اے و ما دمیت از دمیت و لکن اللہ دمی ۱۰ سورہ انفال

حقیقت اسی وقت کھلتی ہے جب یہ حجابات اٹھائیے جائیں۔ اس ضمن میں جملہ مذاہب کے عالموں اور ان کی کتابوں کی تعلیم کا ذکر بھی ہو چکا۔ اہل اسلام میں سے بھی ثبوت فراہم ہوئے۔ نتیجتاً معلوم ہوا کہ یہ جہز لفظی اختلاف کے ان میں مسئلہ توحید یعنی وحدت الوجود یا ہمہ ادست و ہمہ از دست میں کوئی فرق نہیں۔

”مجمع البحرین“ میں ایسے ہی دیگر مسائل ہیں جہاں اہل ہندو اور اہل اسلام قریب ہیں۔ داراشکوہ نے کہیں اپنے ان خیالات کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایسے اختلافی بنیادی مسائل کو اس نے عمداً چھیڑا تک نہیں جو دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے لیے نفرت و انتقام کا باعث بن سکتے تھے۔ اپنے صوفی ہونے کے ناطے سے یہ بات ہرگز پسند نہ تھی کہ کسی انسان کا دل دکھایا جائے۔ بقول صوفیاء؛ التصوف هو الانصاف والتصوف ترك التكليف؛

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے، داراشکوہ کو تحقیق و تجسس کا چسکا تھا اور وہ بلا تفریق مذہب و ملت علماء اور فقراء ہند سے مذہبی مسائل اور باطنی مدارج کے متعلق تبادلہ خیالات کرتا رہتا۔ صوفیائے اسلام کا تو وہ اکثر تذکرہ کرتا ہے اور رسالے میں کئی ایک نام اس نے گنوائے بھی ہیں لیکن وہ جوگیوں، پنڈتوں، مجذوبوں اور ہندو سنیاسیوں سے بھی اس سلسلے میں رابطہ رکھتا اور علمی صحبت کرتا۔ چنانچہ پنڈت چندربھان جو داراشکوہ کا مینٹری اور تصوف ہند کا اچھا عالم تھا، اس نے وہ مآب اچیت جو مکالمات کی شکل میں داراشکوہ اور بابالال بیراگی کے درمیان مختلف مسائل پر ہوئی، مرتب کی تھی جس کا نام ”مکالمہ داراشکوہ بابالال بیراگی“ رکھا تھا۔ یہ مکالمات بڑے دلچسپ ہیں اور ان میں پوچھے گئے سوالات کی نوعیت بڑی اہم ہے۔ مثال کے طور پر چند سوالات یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

سوال داراشکوہ:- ہندوؤں میں اضام پرستی کیا ہے؟ اور اُسے کس نے جاری کیا؟  
جواب بابالال بیراگی:- بت پرستی کا اجراء دل کو تقویت بہم پہنچانے کے لیے ہوا ہے وہ شخص جو چیزوں کی باطنی حقیقت جان لیتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے لیکن وہ جو علم باطن نہیں رکھتا اُسے خارجی عبادت سے منسلک رہنا

پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کنواری لڑکی کھلونوں سے دل بہلاتی ہے لیکن شادی کرنے کے بعد وہ انہیں ترک کر دیتی ہے اس لیے کہ وہ کھلونوں کی حقیقت اور تہہ تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ یہی حال خارج میں بت پرستی کا ہے۔

سوال داراشکوہ: خالق اور مخلوق کے درمیان کیا فرق ہے۔ میں نے یہ سوال بعض اور لوگوں کے سامنے بھی کیا جنہوں نے مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ جو فرق درخت اور اس کے بیج میں ہے۔ کیا یہ ایسا ہے کہ نہیں؟

جواب بابالال: خالق ایک سمندر کی مانند ہے اور مخلوق ایک پانی سے بھرے ہوئے گھڑے کی مانند۔ اگرچہ گھڑے اور سمندر میں وہی پانی ہے لیکن ان دونوں کی مقدار اور طرف میں بہت بڑا فرق ہے، اس لیے خالق، خالق ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔

سوال داراشکوہ: پیر آتما اور جیو آتما میں کیا فرق ہے؟ جیو آتما دوبارہ پیر آتما سے کس طرح مل کر ایک ہو جاتی ہے۔؟

جواب بابالال: شراب پانی سے بنتی ہے جب اسے زمین پر گرادیا جائے تو اس کا نشہ و خماری اور اثر ختم ہو جاتا ہے جبکہ پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر بھی خالص پانی رہتا ہے۔ یہی حال انسان کا ہے جو کہ آج تک جیو آتما ہے۔ اگر وہ اپنے وجود و حواس خمسہ کو ترک کر دے تو وہ پیر آتما سے واصل ہو جاتا ہے۔

دارا کو ان مسائل سے ایسی دلچسپی تھی کہ وہ ہمہ وقت پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی میں مصروف رہتا۔ وہ اکثر صوفیاء سے ہمہ ادست اور فنا کے مسائل پر خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ یہ خط و کتابت نہ صرف دلچسپ بلکہ موضوعات کے اعتبار سے بڑی اہم ہے فنا کے



دہ سرمد کو لکھتا ہے :-

”پیر و سرشدن - ہر روز قصد ملازمت ۱۰ - مسخر نمی شود - اگر من منم ارادہ  
من معطل چرا ؟ اگر من نیستم ، چہ تقیر مرا ؟ قتل امام حسینؑ اگر مشیت ایزدیت  
پس پذیرد در میان چیست ؟ و اگر غیر مشیت است پس معنی  
”یَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكِمُ مَا يُرِيدُ“ چیست ؟ نبی مختار صلعم بہ  
جنگ کفار می رفت - شکست در اسلام می افتاد - علمائے ظاہری گویند ،  
تعلیم صبر است - منتہی را تعلیم چہ در کار ؟“

سرمد نے اس کا جواب ایک نہایت بلیغ شعر میں دیا :  
”اے عزیز“

ما آچنہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم  
الاحدیث یار کہ تکرار مے کنم

شیخ سرمد کا اصل نام معلوم نہیں لیکن یہ ارض پاک و ہند کی ایسی شخصیت ہے جس  
کا وجود عرفان باطنی اور عقائد ظاہری کی طاقتوں کا سرد گاہ بن گیا تھا۔ اپنے تخلص سرمد سے  
مشہور ہیں لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے سعیدائے سرمد لکھا ہے۔ یہ یہودی الاصل تھے لیکن  
مسلمان ہو گئے تھے۔ ریاض الشعراء کے مطابق کاشان کے رہنے والے تھے۔ علی شیر مصنف  
”مراۃ النجیال“ لکھتا ہے کہ :-

”اصلش از منی بود و در اثنائے تجارت بہ شہر تہ (کھٹھہ) افتاد و ہند و پس  
عاشق گزشت“

اس ہندو کے بیٹے کا نام اُبھے چند تھا۔ اسی دُھن میں تمام مال و متاع لٹا دیا اور اور ہر دم اُبھے چند  
کی رفاقت میں رہنے لگے۔

”بر اُبھے چند مذکور، عشق بدایں غایت داشت کہ چوں جانی سوار شدی و

اُوہمراہ براسپ دیگر در عقب مے بود۔ خود براسپ رونے طرف دم سواری  
شد تا از دیدن محروم نامد۔ کسے پر سیدش کہ خدایت کسبت ؛ گفت "نمی دامنم"

ابھہ چند است یا غیر؟

سرمرد نے علاقہ دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کر لی کہ کپڑے پہننا چھوڑ دیئے  
اور برہنہ رہنے لگے۔ پھرتے پھرتے دہلی پہنچ گئے اور بقول علی شیر "چوں خاطر سلطان دارا شکوہ  
بجانب مجاہدین میں داشت، صحبت برے در گرفت مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ علی شیر کو کیا خبر کہ  
دنیا میں ایسے تر از وہی ہیں۔ جنکے ایک پتے میں دیوانگی رکھ دی جائے تو دوسرا پتہ تمام عالم کی ہوشیاری رکھنے سے بھی  
نہیں جھک سکتا۔ سرد علم و فضل میں جیتائے زمانہ تھے اور سارا شاہجہاں آباد ان کا معتقد تھا۔ سرد حالت و حال  
میں شعر گوئی بھی کرتے جو اہل دل ہی سمجھتے تھے۔ جب سلطنت اورنگ زیب عالمگیر کے  
ہاتھوں میں آئی تو دارا کی مصاحبت کی وجہ سے سرد بھی عتاب شاہی کا زد میں آ گئے۔ احتساب  
شرعی نے ان کی ایک رباعی پر گرفت کی جو بخیال ان کے معراج جسمانی کے عقیدہ کے منافی تھی۔  
رباعی: ہر کس کہ سر حقیقتش پادرشد ؛ اوپن تر از سپہر پہنا در شد  
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد ؛ سرد گوید فلک بہ احمد در شد  
دربار اورنگ زیب یہ چاہتا تھا کہ سرد کو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بننے دیا جائے۔ چنانچہ  
سلطنت کی طرف سے احتساب شرعی کے بہانے قاضی القضاة ملا عبد القوی کو سرد کے  
پاس بھیجا گیا تاکہ اس سے برہنگی کا جواز طلب کرے اور عدم جواب کی صورت میں اسے کیفر کردار  
تک پہنچایا جائے۔ جب ملا قوی نے سرد سے برہنگی کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے  
جواب دیا کہ "شیطان قوی است" اور ساتھ ہی رباعی پڑھی: ہ

خوش بالائے کردہ چنسیں پست مرا ؛ چشمے بدو جام بردہ از دست مرا

اودر بغل نیست ومن در طلبش ؛ دزدے عجبے برہنہ کرد دست مرا

ملا قوی نے سرد کے جواب کو ذاتی طنز پر محمول کیا اور برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ عالمگیر

نے سرمد کو طلب کیا اور پوچھا کہ سپہنے کو کہا۔ سرمد یوں مخاطب ہوا۔

ہے آنکس کہ ترا کار جہاں بنانی داد : مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید : بے عیباں را لباس عربانی داد

پھر سرمد کو کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن وہ لا الہ الا اللہ سے آگے نہ بڑھتا۔ چنانچہ علمائے دربار کے فتوے کرنے پر اس نے کہا "میں ابھی تک لفظی کے مرحلہ میں ہوں، اثبات تک نہیں پہنچا۔ الا اللہ کیسے کہہ دوں۔ اس پر علماء نے قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ بقول مولانا آزاد شاہ اسد اللہ نامی ایک مرد درویش راوی ہیں کہ مجھے سرمد کی خدمت میں کمال خصوصیت حاصل تھی جب ہنگامہ شروع ہوا تو میں نے موقع پا کر کہا کہ اگر وضع بدل دی جائے تو کوئی نقصان نہیں۔ سرمد نے یہ سن کر نظر اٹھائی اور اپنا یہ شعر پڑھا۔

عمر لیسیت کہ آوازہ منصور کہن شد

من از سر نوح جلوہ دہم داروسن را

جب سرمد کو قتل گاہ لے چلے تو سارا شہر ٹوٹ پڑا۔ جلاد آگے بڑھا تو سرمد نے مسکرا کر کہا۔

"فدائے تو شوم، بیابیا کہ تو بہر صورتے کہ می آئی۔ من ترا خوب می شناسم" اور یہ شعر پڑھا۔

سرمد اگر داز تنم شوقیکہ بامایار بود

قصہ کوتاہ گشت، ورنہ درد سر بسیار بود

سرمد جامع مسجد دہلی کے عقب میں ۱۷۲۲ء میں شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے والد داغستانی

لکھتا ہے کہ خلیفہ ابراہیم بدخستانی نے سنا کہ سرمد کے سر کشتہ سے تین بار الا اللہ کی صدا بلند ہوئی۔

واللہ اعلم

۱۔ فٹ نوٹ شعر العجم فی الہند۔ مقدمہ اکرام الحق۔

اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۳ء ص ۶۴۲/۶۴۳ و جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۲۴ء ص ۱۱ تاریخ

اورنگ زیب انگریزی ص ۹۵ حصہ سوم فٹ نوٹ۔

داراشکوہ نے الہیات کے مسائل پر شیخ محب اللہ الہ آبادی سے بھی خط و کتابت کی۔ شیخ موصوف نہایت آزاد خیال اور وسیع المشرب بزرگ تھے۔ ان کی مشہور کتاب "لتسوید" جو عربی زبان میں لکھی گئی۔ تصوف کے موضوع پر نئے خیالات کی آئینہ دار ہے۔ اورنگ زیب نے اس کتاب کی ضبطی کا حکم دیا۔ اور شیخ کے شاگردوں سے اس کی باز پرس کی۔ لتسوید میں وحی پر بحث کرنے ہوئے لکھتے ہیں کہ جبرائیل کسی پروں والے فرشتوں کا نام نہیں بلکہ ایک باطنی قوت کا نام ہے جب اس باطنی قوت کا غلبہ ہوتا تو وحی کا نزول ہوتا۔ چنانچہ اسی طرح پیغمبر کے باطن میں اس کا جبرائیل ہوتا ہے۔

داراشکوہ نے ۱۶۴۵ء میں الہ آباد کی گورنری محض اس لیے منظور کی کہ شیخ محب اللہ وہاں قیام پذیر تھے۔ دارا نے شیخ موصوف کو سوالات لکھ بھیجے اور جوابات کے ملنے کے بعد مزید شریح و تفصیل کے لیے دارا نے شیخ سے درخواست کی۔ شیرخان لودھی کی تصنیف "مرآة الخیال" میں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے کچھ حالات پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح شیخ دلربا سے بھی اکثر مسائل پر خط و کتابت رہتی۔ "فیاض القویا میں داراشکوہ کے چھ خطوط کا حال درج ہے جو اس نے شاہ دلربا کو لکھے تھے۔ داراشکوہ نے اپنی تصنیف "حسنات العارفین" یا سنبطیات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

گذشتہ ابواب میں سلطان داراشکوہ کے منظریات اور احوال و آثار کا مفصل جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ کفر و الحاد کی آلائش سے داراشکوہ بالکل مبری نظر آتا ہے۔ اس کا قتل خالصاً سیاسی نوعیت کا تھا۔ اور اسلام اس طرح کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر ایک عالم، متشرع اور متدین شخصیت کا مالک تھا نیز اس میں قائدانہ صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ جو کسی فرماں روا کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن فتادی عالمگیری کے مصنف کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ محض ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر

داراشکوہ پرنکیپلز کا جرم عائد کر کے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔ خاص کر ایسے حالات میں جبکہ داراشکوہ شکست خوردگی کے باعث اس کا قیدی بن چکا تھا آل تیمور میں تاج و تخت کے حصول کے لیے خون کی ہولی کھیلنے کی جو روایت پہلے سے تھی، اس سے یہ عالم اور باشرع شہنشاہ بھی اپنا دامن نہ بچا سکا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے کردار کا یہ تفصیل محاکمہ کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم عالمگیر کا تخت حاصل کرنے کے بعد جو سلوک دوسرے بھائیوں کے ساتھ رہا اور جس طرح ایک ایک کر کے اسلام اور شیعہ قوانین کی آڑ میں اس نے سب کو راہ سے ہٹایا۔ یہ ایک ایسا باب ہے جو کسی شرح کا محتاج نہیں اپنے والد شہنشاہ شاہجہان کو جس طرح بے دست و پا کیا گیا، اس کے جواز کے لیے بھی شرع کو دکھال بنایا گیا۔ خزانہ عامرہ کو پڑ کرنے کے لیے تمام تقدی و جواہرات وصول کر لیے۔ اس لیے کہ اب ان سب اشیاء پر عوام کا حق تھا۔ اور اس کے والد کو انھیں اپنے پاس رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کارروائی میں پہلے پہل نرمی اور چھپر حکماً اور جبراً عمل کر دیا گیا یہاں تک کہ ایک مالا مردار بید کو واپس کرنے کا جب حد سے زیادہ اصرار ہوا تو شاہجہان نے کہا کہ اس تسبیح کو میں درود و وظائف کے لیے استعمال کرتا ہوں اس لیے اسے جدا نہیں کرنا چاہتا اور اگر جبر کیا گیا تو میں اس کے قیمتی دانوں دموتیوں کو پیس ڈالوں گا۔ اورنگ زیب کی خزانہ عامرہ کے لیے یہ کوششیں بظاہر درست تھیں لیکن اپنے بیٹوں کی شادلوں پر لاکھوں روپے کے جو مسارف اٹھتے تھے اور جن کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ کیا ان کے خزانہ عامرہ پر بوجھ نہیں پڑتا تھا؟ کیا شاہانہ کروڑوں روپے کے لیے درویش بادشاہ بظاہر مجبور تھا؟ کیا اسلام میں سلطانی اور درویشی دو الگ الگ راستے ہیں۔ کیا اسلام موم کی ناک ہے کہ جس طرف چاہا موڑ لیا، بائیں ہمہ اورنگ زیب عالمگیر بڑے صغیر کے مسلمانوں کا آبیڈیل ہے اور چونکہ عالمگیری تشہیر نے داراشکوہ پر الحاد و زندہ کی تہیں چڑھادی تھیں اس لیے آج تک ہم داراشکوہ کو اس کی تمام

خوبیوں اور علمی کارناموں کے باوجود ہریت کا علمبردار سمجھے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں اس بد نصیب شہزادے کی شخصیت کو ابھی تک وہ مقام نہیں ملا جس کا وہ بجا طور پر حقدار نظر آتا ہے اور نگ زیب کے مقابلہ میں دارا شکوہ کا امیج اس طرح دھندلا گیا ہے کہ اس کی صورت گرد و غبار کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔

مجمع البحرین دارا کی آخری تصنیف ہے اور یہی اس کے الحاد کا سبب ٹھہری ہے بعض تعلیمی یافتہ حضرات کا خیال ہے کہ بے شک دارا پہلے راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اس کا ثبوت اس کی تصانیف میں لیکن جوں جوں وہ ویدانت اور دیگر ہندوؤں کے علوم سے آشنا ہوتا گیا۔ اس کا عقیدہ کمزور اور وہ اسلام سے بد دور ہٹ گیا۔ اس مفروضے میں کوئی حبان نہیں ہے۔ مجمع البحرین اور دیگر سنسکرت کے تراجم محض اس کی تحقیق اور تجسس علمی کی دلیل ہیں۔ اس نے کبھی اسلام سے ترمک تعلق کا اعلان نہیں کیا۔ اس تصنیف میں متعدد بار وہ لوگوں کے تعجب اور کد مہمی کے بارے میں لکھتا ہے یوں لگتا ہے کہ اسے اس کتاب کے نتائج کا پہلے سے علم تھا۔ اسی لیے بار بار وہ کہتا ہے کہ میری یہ تحقیق محض خواہش کیلئے اور اپنے اہل بیت کے لیے ہے مجھے عوام سے جو ان مسائل کو نہیں سمجھتے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے کفر پر مجمع البحرین مہر ثابت ہوئی اور اس کے لکھنے پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ بہر کیف زمانہ یہ ثابت کر دے گا کہ مذہب کی آرٹ لے کر سیاسی مصلحتوں کی تکمیل کرنے والے زیادہ دیر تک پس پردہ نہیں رہ سکتے۔

قتل دارا شکوہ میں ملک کے چیدہ چیدہ سرکاری و درباری علماء نے اور نگ زیب کی مرضی کے مطابق ساد کیا اور کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکے۔ **إلا ماشاء اللہ۔** ان نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں کا پول ایک نقشبندی اور مجددی بزرگ مولوی محمد یعقوب نے کھول کر رکھ دیا۔ اور نگ زیب کے جاری کردہ کفر کے فتویٰ پر موصوف نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مولوی محمد یعقوب عالمگیر کے بیٹوں سلطان محمد و محمد معظم کے استاد تھے۔ بیس برس تک مدرس مدرسہ بادشاہی عقب مسجد جہاں نما، رہے۔ عالمگیر ان کی لیاقت کا اس

حد تک معترف تھا کہ قاضی عبدالوہاب کو جگہ انہیں عہدہ قضا قبول کرنے کیلئے کہا۔ لیکن آپ نے کہا  
 ”من لیاقت قضا ندارم“ مولانا موصوف وہی بزرگ تھے۔ جہوں نے بادشاہ کے اصرار بلکہ عتاب  
 کے باوجود داراشکوہ کے محضر الحاد پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ذکر جمیع اولیائے  
 دہلی (قلمی) میں یوں مذکور ہے۔

”مدتے بدار و غمگی عدالت و وکالت شرعی ظل سبحانی امتیاز داشت  
 محضریکہ علماء بر الحاد داراشکوہ ساختند۔ مولانا بر آں مہر نکرد۔  
 ہر چند بادشاہ خطاب پر عتاب نمود۔ کہ این ہمہ اہل فضل مہر کردند۔  
 وجہ مہر نہ کردن شما چیست؟ عرض نمود۔ کسانیکہ کردہ اند۔ علم بر الحاد  
 داراشکوہ دارند، مرا علم بر الحاد اونیست“ اے

# مجمع البحرین از داراشکوه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بنام آنکه او نامی ندارد : بهر نامی که خوانی سر بر آرد

حمد و موفور بگانه را که دوزلف کفر و اسلام که نقطه مقابل بهم اند - بر چهره زیبائی  
بے مثل و نظیر خویش ظاهر گردانید و هیچ کس را از آنها حجاب رخ نیگویی خود نساخته -

کفر و اسلام در رهش پویاں : و حدّه لا شریک له گویاں

در همه اوست ظاهر و همه از دست جلوه گرا اول اوست و آخر اوست و غیر او موجود نیاست

رباعی :-

همسایه و هم نشین همه همه اوست : در دل ق کدا و اطلس شه همه اوست

در انجمن فرق و نهبا سخانه جمیع : بالله همه اوست ثم بالله همه اوست

و درودینا محدود بر مظهر اتم بانث ایجاد عالم محمد صلی الله علیه وسلم و بر آل کرام و بر اصحاب عظام

او باد - اما بعد سیکوید فقیر بے حزن و اندوه محمد داراشکوه که بعد از دریافت حقیقت الحقائق

و تحقیق رموز و دقائق مذہب بر حق صوفیه و فائز گشتن باین عطیہ عظمی در مرد آل شد که

درک کند مشرب موصدان بند - و بالبعنی از محققان این قوم و کاملان ایشان که بنہایت

ریاضت و ادراک و فہمیدگی و غایت تصوف و خدایابی رسیده بودند خرد صحبہا داشته

و گفتگو نموده - جز اختلاف لفظی در دریافت حق تفاوتی ندیده ازین جهت سخنان

فریقین را با هم تطبیق داده و بعضی از سخنان که طالبان حق را دانستن آن ناگزیر و

سودمند است فراهم آورده رساله ترتیب داده - و چون مجموعہ حقائق و معارف و مطالب

حق شناس بود لهذا مجمع البحرین موسوم گردانید بموجب قول اکابر که التصوف سوار انصاف

و التصوف ترک التکلیف - پس هر که انصاف دارد و از اہل ادراک است در محافل



در تحقیق این مراتب چه غور رفته و یقین که فهمیدگان صاحب اوراک حفظ و افزاین رساله خواهند  
 برد. و کند همان طرفین را نصیب از فوائد آن نخواهد شد. و این تحقیق را موافق کشف و ذوق خود  
 برای اهل بیت خود نوشته ام، و مرا با عوام هر دو قوم کاری نیست چنانچه خواجہ عبید اللہ احرار قدس  
 سره، فرموده که اگر دانم که کافری پر خطا زمره توحید به بنجاری می سراید، میروم و از وی می شنوم  
 ومن الله التوفیق والاستعانة -

### ۱) بیان عناصر

بدانکه عناصر پنج اند ماده جمیع مخلوقات ناسوتی بهین پنج اند. اول عنصر اعظم که آنرا اهل  
 شرع عرش اکبر میگویند. دوم باد، سوم آتش. چهارم آب و پنجم خاک و این را بزبان اهل هند  
 پانچ بھوت می نامند. آکاس و بانی و تیج و جل و پرتخی. و آکاس سه اند بھوت آکاس،  
 من آکاس و چد آکاس. آنچه محیط عناصر باشد آنرا بھوت آکاس گویند. و آنچه محیط  
 موجود است. آنرا من آکاس نامند و آنچه بر همه محیط و در همه جا باشد آنرا چد آکاس خوانند و  
 چد آکاس برحق است یعنی حادث نیست و برحدت و فنا می آید هیچ آیه قرآنی و بید که  
 کتاب آسمانی باشد دلالت نمی کنند. از چد آکاس اول چیزے که بهم رسید "عشق بود که  
 آن را بزبان موحدان هند بایا گویند. و کنت کنزاً مخفیاً فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق  
 بریں دال است، یعنی بودم من گنجی پنهان پس دوست داشتم که شناخته شوم پس ظاهر کردم  
 خلق را برای شناخت خود و از "عشق" روح اعظم یعنی جیو آسمان پیدا شد که آنرا حقیقت  
 محمدی گویند و آن اشاره بر روح کلی آن سرور صلوة اللہ و سلامہ علیہ است. و موحدان هند  
 آن را برین گریه و اوسهات آسمان نامند که اشاره بمرتبه عظمت است و بعد از آن عنصر باد  
 است که آنرا نفس الرحمان گویند، و از آن نفس باد پیدا شد و چون آن نفس به جهت حبس  
 در حضرت و بود که در هنگام نفیثت برای ظہور داشت گرم برآمد از باد آتش پیدا شد.

و چون در همه نفس صفت رحمانیت و اتحاد بود سرد شد و از آتش آب پیدا شد۔ اما چون عنصر باد و آتش از غایت لطافت محسوس نیستند و آب به نسبت آن سرد و محسوس است۔ بجهت محسوس بودن آن بعضی گفته اند که اول آب پیدا شد و بعد از آن عنصر خاک، و این خاک بمنزل کف آبی است، چون شیری که در زیر آتش باشد و بجوش آید و کف کند۔

بیت ۱۔ چہ دانستم کہ این دریا می بے پایاں چنین باشد

بخارش آسمان کرد و کف دریا زمین باشد

دیگر ۲۔ یک قطره بچو بنیضه جو شیده گشت دریا

کف کرد و کف زمین شد و زد و دود او سما شد

و برعکس این در قیامت کبری که آنرا بزبان اہل بند مہا پرلی کہیند اول فنا می خاک خواهد شد و آن را آب فرو خواهد برد و آب را آتش خشک خواهد ساخت و آتش را باد فرو خواهد نشاند۔ و باد بار دوح اعظم در مہا آکاس فرو خواهد رفت۔ کُلُّ شَيْءٍ بِهَالِكٍ اِلَّا وَجْهًا لِّے یعنی ہمہ چیز فانی خواهد شد مگر روئے خدا تعالی کہ مہا آکاس باشد۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقَى وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یعنی ہمہ آنچه بر روئے زمین بود فانی خواهد شد و باقی ماند روئے پروردگار تو کہ صاحب جلال و اکرام است۔ پس دریں و آیتہ کریمہ کہ بر لے فنا می جمیع اشیا قید و جبہ کہ رفته مراد مہا آکاس است کہ آن فتا پذیر نیست و الا میفرمود سی کُلُّ شَيْءٍ بِهَالِكٍ اِلَّا هُوَ یعنی ہمہ چیز فانی خواهد شد مگر ذات او و قید و برای مہا آکاس باشد چہ مہا آکاس بمنزلہ بدن لطیف آن ذات مقدس است۔ و خاک را بزبان اہل ہند و یوی نامند کہ ہمہ چیز از او پیدا شدہ است و باز ہمہ چیز در او فرو میرود بموجب آیتہ کریمہ فِیْهَا نَعِیدُ کُمُ و مِّنْهَا

لے قرآن مجید ۲۸ : ۸۸

لے قرآن مجید ۲۶ : ۵۵

مَخْرَجُ حُكْمٍ تَارَةً أُخْرِجُ لِعَيْنِي مِنْ خَاكٍ خَلَقَ كَرِيمٌ شَمَارًا وَأُودِرَ آفَاقًا بِأَخْوَابِ سِيمٍ بِرَدِّ شَمَارًا  
از آن خاک بیرون می آریم شمار ابار دیگر .

## (۲) بیان حواس

موافق این پنج عنصر پنج حواس اند که بزبان اهل هند آنرا پنج اندری گویند - شامه ذائقه ، باصره  
سامعه و لامسه که آنرا بزبان اهل هند گهران ، رسنا - چچیه سروتر و توک میگویند و محسوسات آن را  
گنجه ، رس ، روپ ، سبد و سپرس نامند - و سه یکی از این حواس پنجگانه از جنس یکی از این عناصر باشد  
منسوب است - بجا که چه ، بیچ یکی از عناصر بوی ندارد الا خاک و احساس بوی شامه میکند - و ذائقه  
منسوب است به آب چنانچه آب ظاهراست در زبان و باصره مناسبت دارد به آتش چنانچه  
درک رنگها بچشم است و نورانیت در هر دو ظاهراست و لامسه را نسبت است به باد چرا که  
سبب احساس محسوسات باد است - و سامعه منسوب است بعنصر اعظم که مهاب آکاس باشد که  
سبب ادراک اصوات است و از راه سمع حقیقت مهاب آکاس بر اهل دل ظاهر میشود و دیگری بر آن  
مطلع نیست - و این شغلیست مشترک در میان صوفیه و موحدان هند که صوفیه این را شغل پانس  
انفاس میگویند و ایشان در اصطلاح خود ذهن می نامند - اما حواس باطن نیز پنج اند ، حس مشترک ، متخیله  
متفکره ، حافظه و واهمه و نزد اهل هند چهار اند - بده و من و اهنکار و چت و مجموع این چهار  
انته کردن گویند که بمنزله پنجم آنهاست - چت یک عادت دارد که آنراست پرکرت گویند و  
این عادت بمنزله پامی اوست که اگر آن منقطع شود چت از دیدن بازماند - اول بده یعنی  
عقل ، و بده آلتست که طرف خیر رود و طرف شر رود - دویم من که عبادت از دل است و آن  
دو قوت دارد سنگلپ پکپ یعنی عزیمت و تسخیر ، سیوم چت ، که پیک دل است و کار او در

باشد بہر سو و تمیز میان خیر و شر نکند، چہارم اینکار یعنی نسبت دہندہ چیز با بخود۔ و اینکار  
 صفت پریم آتما است بسبب مایا۔ و مایا بزبان ایشان عشق است و اینکار نیز سہ قسم است۔  
 ساتگ و راجس و تامس۔ اینکار ساتگ یعنی گیان سرورپ کہ مرتبہ اعلیٰ است آلت کہ  
 پریم آتما بگوید کہ ہرچہ ہست ہمہ منم و این مرتبہ احاطہ کلی است ہمہ اشیاء را الا انفس  
 بِكُلِّ شَيْءٍ مِّمَّ حَيْطًا، یعنی دانا و آگاہ باش بدرتیکہ اوست ہمہ چیز را احاطہ کنندہ۔ دیگر آنکہ ہوا اول و  
 والاخر و الظاہر و الباطن یعنی اوست اول و اوست آخر و اوست ظاہر و اوست  
 باطن۔ و اینکار راجس مدہم است کہ اوسط باشد و این آلت کہ نظر بر جیو آتما  
 داشتہ بگوید کہ ذات من از بدن و عناصر منترہ است و جسمانیت من نسبت ندارد۔ لیس  
 کمثلاً شئی یعنی نیست مانند او چیزی فان اللہ غنی عن العالمین یعنی  
 خدای تعالیٰ بے نیاز است از ظہور عالم۔ و اینکار تامس ادہم است کہ ادنی باشد و این  
 او دیاست یعنی مرتبہ عبودیت حضرت وجود۔ و ادنی بودن از جہت آلت کہ از نہایت  
 تنزل و تقید و تعین نادانی و جہل و غفلت را بخود نسبت میکند و نظر بر حیات محسوسہ خود  
 نمودہ میگوید کہ "من و تو" از مرتبہ یگانگی دور می افتد۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی  
 بگو اے محمد کہ جز این نیست کہ منم بشری مانند شما۔ چنانچہ بشتت میگوید کہ چون حضرت  
 وجود خواست کہ متعین شود بجز در این ارادہ پریم آتما شد و چون این تقید زیادہ شد۔  
 اینکار بہم رسید و چون تقید دیگر بر آن افزود و مہانت کہ عقل کل باشد نام یافت، و از  
 سنگپ و مہانت من یعنی قلب پیدا شد کہ آن را پر کرت نیز گویند و از سنگپ من پنج گیان  
 اندری کہ شمارہ و لامسہ و باصرہ و سامعہ و ذائقہ باشند بظہور آمد و از سنگپ و این پنج گیان  
 اندری اعضاء و اجسام بہم رسید و این مجموعہ را بدن گویند۔ پس پریم آتما کہ ابوالارواح باشد  
 کہ ظہور اول او حقیقت محمدی و ثانی اوروح القدس کہ جبرائیل امین باشد است م این ہمہ  
 تقیدات را از خود پیدا کردہ و خود را با آن بستہ گردانیدہ چنانکہ کرم پیلہ تار تار ہائی

ابریشم از لعاب خود بر آورده خود را در آن بسته است ، هم چنان حضرت واجب الوجود این همه قیود و همی را از خود بر آورده و خود را در او آورده است - مثل تخم درخت که درخت را از خود بر آورده خود درخت در می آید و در بند شاخها و برگها و گلها می شود - پس بدان و بهوش دار که پیش از ظهور این عالم در ذات پنهان بود و الحال ذات مقدس او در عالم پنهان است -

### (۳) بیان شغل

شغل نزد موحدان هند اگر چه اقسام است اما بهترین شغلها اچارا میدانند آن شغلیست که چه در خواب و چه در بیداری بے قصد و بے اختیار از جمیع ذمی نفوس همیشه و هر آن صادر می گردد - چنانچه در آیه کریمه *و ان من شیء الا لیسبح بحمده و لکن لا تفقهون تسبیحهم* - اشاره بهمین است - و آن درون رفتن و بیرون آمدن دم را بدو لفظ تعبیر کرده اند - نفسی که بالا میرود *و او* ، میگویند و نفسی که درون می آید - *من* - می نامند یعنی *او منم* ، و صوفیه مشغولی این دو لفظ را *اللهو الله* میدانند که در بالا رفتن نفس *هو* و در بیرون آمدن *الله* ظاهر میشود و این دو لفظ از هر ذمی حیات جاریست و اولیجه خبر است -

### (۴) صفات اللہ تعالی

نزد صوفیه دو صفت است ، جمالی و جلال که جمیع آفرینش از تحت این دو صفت بیرون نیست - و نزد فقرائے هند سه صفات اند که آنرا *ترکن* میگویند ، *سنت* و *زوج* و *تم* - *سنت* یعنی ایجاد و *زوج* یعنی بقا و *تم* یعنی فنا - و صوفیه صفت *بقا* را در ضمن صفت *جمال* دیده و اعتبار کرده اند - چون هر یک از این سه صفت در یک دیگر مندرج اند فقرائے هند این سه صفت را *تر مورت* نامند که برهما و *بشن* و همیشه باشد و بزبان صوفیه *جبرائیل* و *میکائیل* و *اسرافیل* گویند - برهما موکل ایجاد است که *جبرائیل* باشد و *بشن* موکل بقا است که *میکائیل* باشد و

همیش موکل افنا است که اسرافیل باشد. و آب و باد و آتش نیز منسوب باین موکلانند، آب بجهنم  
و آتش بمیکائیل و باد به اسرافیل و این سه چیز در جمیع جانداران نیز ظاهر است، برهنگاه که آب باشد در زبان  
مظهر کلام الهی گشت و لطق ازین ظاهر شد، و لشن که آتش است، در چشم، روشنی و نور و  
بینائی ازو ظاهر شد و همیشه که باد است در بینی، دو منفذ صور ازین ظاهر شد که در نفس  
باشد و چون آن منقطع گردد فانی شود.

تبرکن سه صفت حق باشد که ایجاد و ابقا و افناست و مظهر این سه صفت هم برهنگاه و لشن و  
همیش اند که صفات آنها در جمیع مخلوقات ظاهرند. اول مخلوقات ظاهرند. اول مخلوق پیدای شود  
باز بقدر موعود میماند و باز فانی میشود، و شکست که قدرت این سه صفت است آن را تریوی گویند  
و از آن تریورت که برهنگاه و لشن و همیشه باشند ازین تریوی این سه چیز برآمد که آن را  
سرسی، پارتی و لچمی میگویند، سرسی به رجوکن و برهنگاه تعلق دارد و پارتی به تموکن و همیشه و  
لچمی به ستکن و لشن.

## (۵) بیان روح

روح دو قسم است، یکی روح و دیگری ابوالارواح که بزبان فقهای هند این دو روح را آتما و پرم  
آتما گویند چون ذات بجهت متعین و مقید گردد چه به لطافت و چه به کثافت به جهت مجرد بودن در  
مرتبه لطافت او را روح و آتما گویند و در مرتبه کثافت جسد و سریر گویند و ذاتی که متعین به ازل  
گشت روح اعظم باشد که با ذات مجع الصفات مرتبه احدیث دارد و ذاتی که جمیع ارواح در  
آن مندرج اند آنرا پرم آتما و ابوالارواح گویند. مثل آب و موج آب بمنزله بدن و روح و  
سریر و آتما است، و مجموعه امواج از رونی کلیت به ابوالارواح و پرم آتما ماند و آب صرف  
بمنزله محضرت وجود رسیده و چنان است.

### ۴) بیان بادها

بادی کہ در بدن انسان حرکت میکند چون در پنج موضع می باشد پنج نام دارد، پیران، اپان، سمان، اودان و ویان۔ پیران حرکت آل از بینی است تا بہ انگشت پا و دم زدن خاصیت این باد است۔ اپان حرکت این از نشستگاہ است تا بہ عضو مخصوص و این باد گرد ناف ہم حلقہ زده است و باعث حیات همان است۔ سمان، در سینہ و ناف و حرکت میکند۔ اودان، حرکت این از حلق است۔ تا اتم الدماغ و ویان، کہ ظاہر و باطن از باد پیران است۔

### ۵) بیان عوامل اربعہ

عوامل کہ جمیع مخلوقات را ناچار گزیر بر آنست بطور بعضی از صوفیا چهار اند، ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت و بعضی پنج میگویند و عالم مثال را داخل میکنند و جمعی کہ عالم مثال را با عالم ملکوت یکے می انگارند چهار میگویند۔ و بقول فقرائے ہند و سخفات کہ عبارت از این عوامل اربعہ باشد چهار اند، جاگرت و سپن و سکھوپت و تریا جاگرت مناسب بہ ناسوت کہ عالم ظاہر و عالم بیداری باشد، سپن موافق است بہ ملکوت کہ عالم ارواح و عالم خواب باشد، سکھوپت موافق است بہ جبروت کہ در آن نقوش ہر دو عالم و تمیز "من و تو" باشد خواہ چشم واکرودہ بینی خواہ پوشیدہ و بسیاری از فقرای ہر دو قوم بزرگ عالم مطلع نیستند، چنانچہ سیدالطائف استاد البواتقاسم جنید بغدادی قدس اللہ سرہ، خبر داده کہ فرمودہ نقصوف آن بود کہ ساعتی بنشین بے تیمار، شیخ الاسلام کہ بے تیمار چہ بود۔ فرمود کہ یافت بے جستن و دیدار بی نگر لیستن چہ بیندہ در دیدار علت است پس ساعتی بے تیمار نشستن ہمین است کہ نقوش عالم ناسوت و ملکوت در آن ساعت بخاطر نگر زرد، و نیز آنچه مولانا می روم قدس اللہ سرہ، فرمودہ اشارہ بہ ہمین معنی است۔

خواهی که سیانی یک لحظه مجویش  
 خواهی که بدانی یک لحظه مدانش  
 چون در نهانش جوی دوری ز آشکارش  
 چون آشکار جوی مجوی از نهانش  
 چون ز آشکار و پنهان بیرون شوی به بران  
 پا دراز میکن خوش خسپ در امانش

و نیز با موافق است به لاهوت که ذات محض باشد و محیط و شامل و جامع و عین این هر سه  
 عالم - اگر سیر انسان از ناسوت به ملکوت و از ملکوت به جبروت و از جبروت به لاهوت باشد  
 این ترقی از وست و اگر حضرت حقیقت الحقائق که موجدان هند آنرا اوسن گویند از مرتبه لاهوت  
 نزول نماید / و از جبروت و ملکوت بگذرد سیر او منتهی به عالم ناسوت می شود، و اینکه صوفیه مراتب  
 نزول را بعضی چهار بعضی پنج قرار داده اند اشاره باین معنی است -

### (۸) بیان آواز

آواز از همان نفس الرحمان است که بوقت ایجاد بلفظ "کن" ظاهر شد آن آواز را فقرای هند  
 سرستی گویند، و جمیع آوازها و صوتها و صداها از آن آواز پیدا گشته -  
 بیت :- هر کجا بشنوی چون غمزه او ست  
 که شنید این چنین صدای دراز

و این آواز که ناد باشد نزد موجدان هند بر سه قسم است، اول، انا هرت یعنی آوازیکه همیشه  
 بود و هست و خواهد بود. و صوفیه این آواز را آواز مطلق و سلطان الاذکار گویند که قدیم است  
 احساس مهابت اس ازین است، و این آواز را در نیابند مگر اکابر آگاه هر دو قوم دویم آهت  
 یعنی آوازیکه از زدن چیرمی بی ترکیب الفاظ پیدا شود، سیوم سبذ که بترکیب الفاظ پیدا شود



آواز سبدرابه سستی مناسب است، و از همین آواز اسم اعظم که میان اهل اسلام است و کلمه که فقرای  
 هند آن را بیدمک گویند - ا - و هم ظاهر شد و معنی این اسم اعظم آنست که اوست صاحب سه  
 صفت که ایجاد و بقا و افساست، و فتح و ضمه و کسره که آنرا آکار، و کار و مکار گویند از همین  
 ظاهر شده، و مراد این اسم را صورتی خاص است نزد موحدان هند که با اسم اعظم با مشابہت  
 تمام دارد و نشان عنصر آب و آتش و خاک و باد و ذات بجهت نیز درین ظاهر است -

### (۹) بیان نور

نور سه قسم است - اگر به صفت جلال ظاهر شود یا بزرگ آفتاب است یا بزرگ یا قوت یا بزرگ  
 آتش - و اگر به صفت جمال ظاهر شود یا بزرگ ماه است یا بزرگ نقره یا بزرگ مروارید یا بزرگ آب -  
 و نور ذات که منزه است از صفات آنرا جز اولیای خدا که حق سبحانه، تعالی در حق ایشان فرموده -  
 یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ - دیگر می در نمی یابد یعنی هدایت میکند اللہ تعالی هر که میخواهد  
 بنور خود و آن نور است که چون شخص در خواب شود یا چشم پوشیده بنشیند - نه بچشم بیند و نه بگوش  
 شنود و نه بزبان گوید و نه بینی بوید و نه به لامسه احساس کند و حال آنکه در خواب همیشه این همه کارها  
 بیک چیز کند و محتاج اعضا و حواس ظاهری در دشتانی چراغ نباشد و با صره و سامعه و ذائقه و  
 شامه و لامسه عین یک دیگر شوند و یک ذات گردند - آن را نور ذات گویند و آن نور خداست  
 جَلَّ شَانُهُ -

اے دوست فکر کن که چه گفتم که جای فراست و فکر است و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
 در تعریف این فکر فرموده تفکر ساعة خیر من عبادة سنة یعنی این فکر است  
 که ساعتی درین فکر بودن بهتر از عمل آدمی و پرستش و نوریکه از آیه کریمه اللہ  
 نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یعنی اللہ تعالی نور آسمانها و زمین است مفهوم میگردد  
 آنرا فقرای هند چون سروپ و سواپرکاس و سپن پرکاس گویند یعنی این نور همیشه

بخود روشن است خواه در عالم نماید خواه نه نماید چنانچه صوفیه نور را هم نور تفسیر میکند و البتة اهل بهند  
 نیز بمنور تعبیر کرده اند و ترجمه این آیه کریمه که الله نور السموات والارض چنین است که الله تعالی  
 نور آسمانها و زمینها است - مثل خوره مشکوة فیها مصباح و مثل نور او مانند  
 طاقچه است که در آن مصباح باشد - (المصباح فی زجاجته) و آن چراغ در شیشه بود -  
 (الذجاجته کأنها کوب دسئی) و شیشه گویا که ستاره درخنده است که (لیوقد  
 من شجرة مبارکته زیتونه لاشرقیه ولا غریبه) افزوده شده  
 است از درخت مبارک زیتون که نه شرقی است و نه غربی، و (یکاد زیتها یضیی و لو لم  
 تمسه نار) نزدیک است که روغن آن زیتون مبارک روشنی بخشد بآنکه آتش با او  
 نرسیده باشد و (نور علی نور) نور لیت بر نور (یلهدی الله بنو ساه) من یتاء  
 و راه می نماید الله تعالی بنور خود هر که را که میخواهد - اما آنچه که فقیر فهمیده این باشد که مراد از  
 مشکوة که طاق باشد عالم اجسام است و مراد از مصباح که چراغ باشد نور ذات است و  
 مراد از شیشه روح است که مانند ستاره درخنده است که از روشنی آن چراغ این شیشه هم مانند  
 چراغ می نماید و "افزوده شده است آن چراغ، عبارت از نور وجود است و از شجر مبارک"  
 ذات حق سبحانه، تعالی مراد است که منزله است از جهات شرقی و غربی و مراد از "زیت" روح اعظم  
 است که نه ازلی و نه ابدی است یعنی آن زیت از غایت لطافت و صفا خود بخود روشن و تابان  
 است و محتاج به فروختن نیست، چنانچه استاد ابو بکر و اسطی علیه الرحمته در تعریف میفرماید که  
 زجاجه روح بمرتبه روشن است که محتاج لمس نارنا سوت و شعاع نیست و از غایت استعداد  
 ذاتی نزدیک است که خود بخود روشن شود - و این نور زیت "نور علی نور" است یعنی  
 از نهایت صفا و روشنی نور لیت پر نور، و باین روشنی نمی بیند - کسی او را تا او خود پس  
 مراد از مجموعه آیه کریمه آنست که حق سبحانه، تعالی بنور ذات خود در پرده بلای  
 لطیف و نورانی ظاهر است و هیچ ظلمتی و حجابی در میان نیست و نور ذات در پرده روح الارواح

ظاہر است و روح الارواح در پردہ ارواح و ارواح در پردہ اجسام، ہمچنین "چراغ" با آن نوریت  
در پردہ شیشہ تابان و ظاہر است و شیشہ در پردہ طاقچہ و این با اکتساب نور ذات میکند  
لہذا روشنی بر روشنی افزوده۔

### (۱۰) بیان رویت

رویت خدائی تعالیٰ را موحدان ہند ساچھات کار گویند یعنی دیدن خدا بچشم سبر  
بدانکہ در دیدن خدائی تعالیٰ در دنیا و آخرت بچشم ظاہر و باطن ہیچ یکی انبیاء علیہم السلام و  
اولیائے کامل قدس اللہ سرہم شکی و شبہہ نیست و جمیع اہل کتاب و کاملان و بینایان ہر ملت  
بایں معنی ایمان دارند، چہ اہل قرآن و چہ اہل بید و چہ اہل توریت و انجیل و زبور۔ و از نا فہمیدگان  
و نلد بینایان ملت خود بودہ کہ انکار رویت نماید، چہ ذات مقدسی کہ بر ہمہ چیز قادر باشد بر نمودن خود  
ہم چہ قدرت نداشته باشد و این مسئلہ را علمائے سنت و الجماعت خوب بے پردہ گفتہ اند۔ اما اگر  
ذات بے جہت را گفتہ اند کہ تو اں دید این محال است چہ ذات بے جہت لطیف و بے تعین است و  
شعین نگردد و در پردہ لطافت جلوہ گر نشود پس نتوان دید و چہ رویت محال باشد۔ و آنچه  
گفتہ اند کہ در آخرت تو اں دید و در دنیا نتوان دید اصلی ندارد زیرا کہ ہر گاہ کمال قدرت در دست  
ہر طور و ہر جا و ہر گاہ کہ خواهد قادر بر نمودن خود است و بہر کہ اینجان دید مشکل است کہ تواند  
در آنجا دید، چنانچہ خود در آیہ کریمہ فرمودہ *وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَلَیْءَ فِی الْاٰخِرَةِ*  
*اعْمٰی۔* یعنی بہر کہ دریں دنیا از دولت دیدار من محروم است۔ در آخرت نیز محروم خواهد ماند  
از نعمت جمال من۔ و منکران رویت کہ حکمائے معتزلہ و شیعہ باشند دریں مسئلہ خطای عظیم  
کردند، چہر کہ اگر می گفتند کہ دیدن ذات بے جہت ممکن نیست بہر حال صورتی داشت و چون  
ایشان جمیع اقسام رویت را منکر شدہ اند این نہایت خطاست زیرا کہ اکثری از انبیای  
مرسل و اولیائے اکمل خدا را بچشم ظاہر دیدہ و کلام با احترام اورا بے واسطہ شنیدہ اند و ہر گاہ

که ایشان شنیدن کلام حق را از همه جهت قابل اند چنانچه دیدن را هم از همه جهت قابل نباشد -  
 البته باشند و چنانکه ایمان بجزا و ملائکه و کتابها و انبیاء و قیامت و قضا و قدر و خیر و شر و خانهای  
 متبرک و غیره، فرض است ایمان برویت هم فرض و لازم است - و اختلافیکه از نارسیدگان علمای  
 سنت و الجماعت کرده اند در معنی و لفظ این حدیث که عائشه صدیقہ فرموده است: "سید از حضرت رسول صلعم  
 که هل رأیت ربک یعنی آیا دیدی تو پروردگار خود را؟ فرموده "نور" ای آراة یعنی نوریت  
 چگونه بینم او را - لکن این دلیل نادیدنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نمیشود اگر معنی اول گیریم  
 اشاره برویت نام اوست در پرده "نور" و اگر چنین خوانده شود که نوریت چگونه بینم او را  
 اشاره بذات بے جهت و بیسنگ است - این اختلاف عبارتی نیست بلکه اعجاز نبولیت  
 که در یک حدیث دو مسد بیان توان کرد - و آیه کریمه "وَجُودٌ یَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ اِلٰی رِبِّهَا  
 نَاطِرَةٌ" یعنی در آن روزیکه رُو با تروتازه خواهند بود و بیننده بسوئے پروردگار خود  
 برهانی ظاہر است برویت پروردگار جلّ شانہ و آیه کریمه لا تدرک الابصار و هو  
 یکدرک الابصار و هو اللطیف الخبیر - اشاره به بیسنگیت یعنی نمی بینند بصیرت  
 در مرتبه اطلاق و بیسنگی و او همه را می بیند لطافت و بیسنگیت، و درین آیه کریمه اسم  
 "ظُو" که واقع شده اشاره به نادیدن ذات بے جهت است - دیدن فدای تعالی پنج قسم  
 است - قسم اول در خواب، چشم دل، دوم در بیداری بچشم سبر، سیوم در میان بیداری  
 خواب که آن بے خودی خاص است، چهارم در یک تعین خاص، پنجم دیدن ذات واحد است  
 در کثرات تعینات عوالم ظاہر و باطن، و این چنین دید حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم در وقتیکه  
 خود نبود در میان و رانی و مرئی یکی بود، و خواب و بیداری و بیخودی او یکی نمود و چشم ظاہر و  
 باطن او یکی شده بود، مرتبه کمال رویت اینست و این را دنیا و آخرت در کار نیست و همه وقت  
 میسر است -

## (۱۱) بیان اسمائی اللہ تعالیٰ

بدانکہ اسمائی اللہ تعالیٰ بی نهایت است و از حد مقرر بیرون۔ ذات مطلق بی جهت و صرف غیب بالغیب و حضرت واجب الوجود را بزبان فقرای ہند اسن و ترکن و نرنکار و نرنجن دست و چت گویند۔ اگر علم را با نسبت دہند کہ اہل اسلام اورا علیم میگویند، قادر را اسمتھ و سمیع را اسمتھ و بصیر را درشنا خوانند، و اگر کلام را با آن ذات مطلق نسبت دہند و گمانا مند اللہ را اوم و ہوراسہ و فرشتہ را بزبان الیشاں دیوتا گویند و مظہر اتم را اوتار نامند و اوتار آن باشد کہ قدرت الہی آنچه درو ظاہر شود و از وجود او بنظر آید در ہیچ از افراد نوع او در آن وقت ظاہر نشود، و وحی را بر پیغمبر نازل شود آکاس بانی نامند و آکاس با بجهت آن گویند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ صعب ترین اوقات بر من وقت وحی است کہ میشنوم وحی را مانند آواز جرس یا مانند آواز زنبور، و چون این آواز از آکاس ظاہر میشود آکاس بانی میگویند۔ و کتب آسمانی را بید گویند، و خوبان جنیاں را کہ پری باشند انچہر گویند و بدان آن ہاراکہ دیو و شیاطین اند را اجس گویند و آدمی را منکھ، ولی را رکھی و نبی را اہاسدہ نامند۔

## (۱۲) بیان نبوت و ولایت

انبیاء بر سہ قسم اند یکی آنکہ خدا را دیدہ باشند بچشم، خواہ بچشم ظاہر خواہ بچشم باطن۔ دیگر آنکہ آواز خدا شنیدہ باشند خواہ آواز صرف، خواہ آواز مرکب از حروف کلمہ۔ دیگر آنکہ فرشتہ را دیدہ باشند یا آواز فرشتہ باشند۔ و نبوت و ولایت بر سہ قسم است۔ یکی نبوت و ولایت تنزیہی، دوم نبوت و ولایت تشبیہی۔ سیوم نبوت و ولایت جامع التشبیہ و التنزیہ۔ اول نبوت تنزیہی، چون نبوت حضرت نوح علیہ السلام کہ خدا را بہ تنزیہ دید و دعوت کرد و امت بجهت تنزیہ ایمان نیاورد مگر قلیلی و ہمہ در بحر فراق شدند۔ چون زاهدان زمان ما کہ بہ تنزیہ خدا را مریدانرا خوانند، و بیچکس از ان مریدان عارف نشود و از قول آنها

نفعی نبرد و در راه سلوک و طریقت فنا و هلاک گردد و بخدا نرسد.

دوم نبوت تشبیهی چون نبوت موسی است علیه السلام که خود خدا را در آتش درخت دید و از ابر  
سخن حق شنید و اکثر امت از تقلید موسی در تشبیه افتاده گو ساله پرست شدند و عصیان ور  
زیدند و امروز بعضی از مقلدان زمان ما آنکه محض تقلید کاملان پیشه کرده اند و برین زندگانی  
کنند از تنزیه دور افتاده در تشبیه فرو رفتند و بدین مورتهای خوب و مرغوب در لهو و لعب گرفتار  
اند و پیروی ایشان نشاید.

بهر صورت دلکش که تراروی نمود      خواهد فلک از چشم تو اش زود بود

زود دل کسی ده که در اطوار وجود      بود است و همیشه بانو خواهد بود

سیوم نبوت جامع التنزیه و التشبیه یعنی جمع کننده تنزیه و تشبیه و آن نبوت محمد است  
صلی الله علیه و سلم که مطلق و مقید رنگ و بیزنگ و نزدیک و دور را یکجا کرده و اشاره باین مرتبه است  
دری آیه کریمه لیس کمثلہ شیء و هو السميع البصیر یعنی نیست مثل او چیزی و این  
اشاره بمرتبه تنزیه است و شنوایی و بینایی اشاره به تشبیه بود. و این مرتبه بلندترین و اعلا  
ترین مرتبه جامعیت و خاتمت است که مخصوص بذات آل سرور صلعم است پس رسول ما همه عالم را  
از مشرق تا غرب فرو گرفته. و نبوت تنزیهی محروم است از نبوت تشبیهی و نبوت تشبیهی عاریت  
از نبوت تنزیهی، و نبوت جامع شامل تنزیه و تشبیه چون هو الاقل والاخر و الظاهر  
و الباطن همچنین ولایت مخصوص است بکاملان این ائمت که حق تعالی در وصف ایشان  
فرموده کنتم خیر امت اخرجت للناس یعنی بهترین امتیال ایشانند که جمع کننده  
تشبیه و تنزیه اند. چنانچه در زمان پیغمبر صلی الله علیه و سلم از اولیاء ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و  
حسین و سته باقیه و عشره مبشره و اکابر مهاجر و انصار و اهل صوفیه بودند و از  
آن جمله در تابعین چون اولیس قرنی و غیره. و در زمان دیگر چون ذوالنون مصری، و فضیل  
عیاض و معروف کرخی و ابراهیم ادهم و بشر خانی و سری السقطی و بایزید بسطامی و

اُستاد ابوالقاسم جنیدی و سهیل بن عبداللہ التستری و ابوسعید خراز و رویم و ابوالحسن النوری، و ابراہیم  
خواص و ابوبکر شبلی، ابوبکر واسطی و امثال ایشان۔

و در زمان دیگر چون ابوسعید ابوالخیر و شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری و شیخ احمد جام و  
محمد معشوق طوسی و احمد غزالی و ابوالقاسم و در زمان دیگر چون پیر من شیخ محی الدین عبدالقادر  
جیلانی و ابودین المغربي و شیخ محی الدین العربی و شیخ نجم الدین کبری و شیخ فرید الدین عطار و  
مولانا جلال الدین رومی۔ و در زمان دیگر چون شیخ من جنید ثانی شہاہ میر و استاد من میاں  
باری و مرشد من ملا شہاہ و شاہ محمد کربا و شیخ طیب سرہندی و با والال بیراگی۔

### ۱۳ بیان برہماند

مراد از برہماند "کل" و تقید ظہور وجود است بصورت کمرہ مدور و چون او را بہ بیچ طرف  
میل و تعلق نیست او با ہمہ برابرست و ہمہ پیدائش و نمایش در میان این است لہذا موحدان  
ہندایں را برہماند گویند۔

### ۱۴ بیان جہات

موحدان اسلام ہر یک از مشرق و مغرب و شمال و جنوب و فوق و تحت را جہتی اعتبار نموده  
شش جہت گفتہ اند و موحدان ہند جہات را دہ میگویند یعنی ما بین مشرق و مغرب و شمال و  
جنوب را نیز جہتی اعتبار نموده دہ دشامی نامند۔

### ۱۵ بیان آسمانہا

آسمانہا کہ آنرا لکن میگویند بطور اہل ہند ہشت است، ہفت ازاں مقتر بہفت کواکب  
سیارہ است کہ زحل و مشتری و مریخ و شمس و زہرہ و عطارد و قمر باشند و بزبان اہل ہندایں ہفت

ستاره را هفت پنجم یعنی سنبه و بر سپت و منگل و سورج و سکر و بده و چند را اس میگویند و آسمانی که جمیع ثوابت در آن اند را هشتم میدانند و همین آسمان را حکما فلک هشتم و فلک ثوابت میگویند که بزبان اهل شرع کرسی است و **وَسِعَ كُرْسِيُّهَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** یعنی آسمانها و زمینها در کرسی میگذرد و نهم که آن را مهاب آکاس میگویند داخل آسمانها نکرده اند جهت آنکه آن محیط همه است و کرسی و آسمانها و زمینها را احاطه کرده است.

### ۱۶ بیان زمین

زمین نزد اهل هند هفت طبقه است که آنرا سپت تال میگویند و هر طبقه این یک نام دارد. ائل، تئل، سوتل، مهائل، رسال و پانال. بطور اهل اسلام نیز زمین هفت است بموجب آیه کریمه **اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ مِّنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ** یعنی اللّٰهُ تعالیٰ آن خداست که خلق کرد اندی هفت آسمانها را و از زمین هم مانند آسمانها.

### ۱۷ بیان قسمت زمین

ربع مسکون را حکما هفت طبقه قسمت کرده اند و هفت اقلیم میگویند و اهل هند آنرا سپت دیپ می نامند و این هفت طبقه زمین را بر روی زمین هم مثل پوست پیاز نمیدانند بلکه بهراتب مثل پاهای نزد بان تصور میکنند. و هفت کوه را که اهل هند آنها را سپت کلاچل گویند برگرد هر زمین کوهی را محیط میدانند و نام کوهها اینست. اول سیر و دوم سمویت سیوم همکوت چهارم همون پنجم مکده ششم پار جاتر هفتم کبلاس. چنانچه در آیه کریمه **وَالْجِبَالِ اَوْتَادًا** واقع است یعنی گردانیدم کوهها را میخهای زمین. و برگرد هر یکی از آن هفت دریا اند که محیط هر کوه اند و آن را سپت سمندر میگویند و نامهای این هفت دریا این اند. اول لون سمندر یعنی دریای شور. دوم انچه رس سمندر یعنی دریای آب نیشکر، سیوم سر سمندر یعنی دریای شراب، چهارم کهرت سمندر یعنی دریای روغن زرد. پنجم دده سمندر یعنی دریای جغرات، ششم کهر سمندر یعنی دریای شیر. هفتم سواد جل یعنی



دریای آب زلال - بودن دریا بعد بهشت ازین آیه معلوم میشود و لو ان ما فی الارض من شجرة  
 اقلام و البحر یحیدها من بعد ه سبعت البحر ما نعدت کلمات اللہ یعنی  
 بدر شیکه از درختان که بر زمین اند قلمها شود و آن هفت دریا با سیاهی شوند تمام نمیشوند کلمات  
 خدا یعنی مقدرات خدا و در هر زمینی و کوهی و دریای اقسام مخلوقات هستند - و زمین و کوه و دریا که  
 فوق همه زمینها و کوه و دریاها است بطور محققان هندا آنرا سرگ خوانند که بهشت و جنت باشد و  
 زمین و دریا که تحت همه زمینها و کوه و دریاها است آنرا ترک گویند که عبارت از دوزخ است  
 و جهنم - و تحقیق موحدان هندا است که بهشت و دوزخ از همین عالم که آنرا برهمنانند گویند خارج  
 نیست و این هفت آسمان را که مقر این هفت ستاره اند میگویند که برگرد بهشت میگردند -  
 نه بر بالای بهشت - و سقف بهشت را من آکاس میدانند که عرض باشد و زمین بهشت را کرسی

## ۱۸ بیان عالم برزخ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرموده من مات فقد قام قیامتة یعنی شخصیکه مرد پس تحقیق که  
 قائم شد قیامت او و بعد از موت آنما که روح باشد از بدن عنصری مفارقت نموده بی تخیل زمان  
 بدن محک که آنرا سوچم سر بر گویند در می آید و آن بدن لطیف است که از عمل صورت گرفته باشد  
 عمل نیک را صورت نیک و عمل بد را صورت بد - و بعد از سوال و جواب بی درنگ و بی توقف  
 اهل بهشت را به بهشت و اهل دوزخ را بدوزخ میبردند - موافق این آیه کریمه فاما الذین  
 شقوا ففی النار لهم فیها زفیر و سلیق خلدین فیها مادامت السموات  
 و الارض الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید و اما الذین سعدوا ففی  
 الجنة خلدین فیها مادامت السموات و الارض ماشاء ربک عطاء  
 غایر مجذود - یعنی آنانکه بدبخت شده اند در آتش اند در ایشان را در آتش فریاد و ناله  
 و زاری جاودا باشد در آن آتش تا اینکه میکه آسمانها و زمینهاست مگر آنچه خواهد پروردگار تو

بدرستی که پروردگار تو کند است هر چیزی را که خواهد و انا که نیک بخت در بهشت اند همیشه تا هنگامیکه باشند آسمانها و زمینها مگر تا وقتی که خواهد پروردگار تو که آنها را آنجا بر آورد و بخشش ادبی نهایت است - بر آوردن از دوزخ آن باشد که پیش از بر طرف شدن آسمانها و زمینها اگر خواهد از دوزخ بر آورده به بهشت برود و این مسعود رضی الله عنه در تفسیر این آیه فرموده که لَا تَبْتَئُ عَلَىٰ جَهَنَّمَ زَمَانًا لَّيْسَ فِيهَا أَحْسَدٌ وَ ذَٰلِكَ لِیَعْدَمَ مَا يَمْسُكُونَ فِيهَا أَحْقَابًا یعنی آید بر دوزخ زمانی که نباشد هیچس از دوزخ حال در آن بعد از آنکه مدت طولی در آن مانده باشند - و بر آوردن اهل بهشت را از بهشت آن باشد که پیش از بر طرف شدن آسمانها و زمینها اگر خدا خواهد ایشان را در فردوس اعلیٰ در آرد که عطای ادبی نهایت است و نیز از این آیه مکرّمیه ثابت شده وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یعنی الله تعالی را بهشتی است بزرگ تر از بهشت ها که اهل بهشت آن را بیکدیگر گویند و این بزرگ ترین رستگاریست بطور موعّدان هندی -

## ۱۹ بیان قیامت

بطور موعّدان هندی نیست که بعد از بودن در دوزخ و بهشت چون مدت های طولی بگذرد مهابرتی شود که عبارت از قیامت کبری است که از آیه مکرّمیه فاذا جاءت الطامثه الکبریٰ یعنی وقتی که بیاید قیامت کبری مفهوم میشود و از این آیه نیز معلوم میشود وَ لُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ الْأَمْنُ شَاءَ اللَّهُ یعنی وقتی که دمیده میشود صور پس بے هوش میشود هر که در آسمانها و زمینهاست مگر شخصی را که خواسته باشد خدای تعالی از بے هوش شدن نگاه دارد - و آن جماعت عارفان باشد که محفوظ اند از بے هوشی و بے خبری هم در دنیا و هم در آخرت - و بعد از بر طرف شدن آسمانها و زمینها و فانی شدن دوزخها و بهشتها و تمام شدن مدت عمر بر همانند نبودن بر همانند اهل بهشت و دوزخ را مکت خواهد شد یعنی هر

در حضرت ذات مستهلاک و محوشند - بموجب این آیه کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى  
وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ -

## ۲۰ بیان مکت

مکت عبارت از اشتهاک و محوشدن تعینات باشد در حضرت ذات که از آیه کریمه  
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ظاهر میشود و داخل  
شدن در رضوان اکبر که فردوس اعلا باشد رستگاری بزرگ است که مکت باشد و مکت بر سه  
قسم است - اول حیون مکت یعنی رستگاری در زندگانی و حیون مکت نزد ایشان آنست  
که در ایام حیات خود بدولت عرفان و شناسائی حق تعالی رستگار و خلاص باشد و در بین  
جهان همه چیز را یکی بنیدویکی داند و اعمال و افعال و حرکات و سکنت و نیک و بد را نسبت  
بخود و بغیر نکند و خود را با جمیع اشیای موجوده عین شناسد و در هر مراتب حق را جلوه  
گرداند و تمام بر همانند را که صوفیای کرام آنرا عالم کبری گفته اند و صورت کلیت  
خداست بمنزله بدن جسمانی خدا گرداند - عنصر اعظم که مهابا کاس باشد بمنزله سوختم  
سر بر یعنی بدن لطیف خدا، و ذات خدا بمنزله روح آن بدن، و آن را یک شخص معین  
دانسته از ذره تا بکوه با عوالم ظاهری و باطن سوای ذات آن یگانه بی همتا بنیدونداند -  
چنانکه یک انسان که او را عالم صغیر گفته اند باختلاف عضوهای مختلفه متکثره یک  
فرد است و بکثرت اعضا ذات او متعدد نیست، آن ذات واحد را نیز بکثرت تعینات  
متعدد نشناسد -

بیت: - جهان یکسر چه ارواح و چه اجسام : بود شخصی معین عالمش نام  
پس حق سبحانه تعالی را روح و جان این شخص معین داند که از هیچ سر موی جدا نیست  
چنانچه شیخ سعدی الدین حموی فرماید -

ربا عی: حق جان جهان است و جهان جمله بدن: ارواح و ملائک و حواس این همه تن  
 افلاک و عناصر و موالید و اعضاء: توحید همین است و دیگر شیوه و فن  
 و همچنین موصدان هند مثل بیاس و غیره تمام بر همانند را که عالم کبیر است شخص واحد و البته عضو  
 های بدن او را چنین بیان نموده اند: جهت آنکه صوفی کسانی در هر وقت بر هر چه نظر کند بداند که بر فلان  
 عضو مہا پرس که اینجا عبارت از ذات حق سبحانہ تعالیٰ است نظر داشتیم۔ پاتال کہ طبقہ ہفتم  
 زمین باشد کف پای مہا پرس است۔ رساتل کہ طبقہ ششم زمین باشد پشت پای مہا پرس است  
 و شیاطین انگشتہای پای مہا پرس اند۔ مہاتل کہ طبقہ پنجم زمین است شتالنگ مہا پرس  
 است۔ تیل کہ طبقہ دوم زمین است ران مہا پرس است۔ اتل کہ طبقہ اول زمین است عضو  
 مخصوص مہا پرس است۔ کال یعنی زمانہ رفتار مہا پرس است۔ پر جانت دیوتا کہ باعث نوالد و  
 تناسل تمام عالم است مردی و قوت و رجولیت مہا پرس است۔ باران لطفہ مہا پرس است  
 جھولوک یعنی از زمین تا آسمان پائین ناف مہا پرس است۔ سہ کوه جنوبی دست راست مہا پرس  
 است و سہ کوه شمالی دست چپ مہا پرس است و سمیر پرت سرین مہا پرس است۔ روشنی صبح  
 کاذب تار مغزنی جامہ مہا پرس است۔ روشنی صبح صادق رنگ سفید جامہ چادر مہا پرس است  
 کہ الکبیر یاعس دالحی اشارہ بان میکند و وقت شام کہ رنگ شفق دارد پارچہ ستر عورت  
 مہا پرس است (کہ العظمتہ اذاری کنایہ بان میکند) سمندر یعنی بحر محیط حلقہ و عمیق  
 ناف مہا پرس است و بدوانل مکان آتشیت کہ آب ہفت دریا را حال ہم جذب میکند و طغیان  
 شدن نمید بد و در قیامت کبری تمام آب را خشک خواهد کرد و این حرارت و گرمی معدہ مہا پرس  
 است و دریاہای دیگر رگہای مہا پرس است و چنانکہ ہمہ رگہا بناف میرسد ہمہ دریاہا بسندر  
 منتهی میگردد۔ گنگا و جمناسرتی شہ رگ مہا پرس است۔ انکلا جمنان بیکلا جمناسکھنا سرتی  
 جھولوک کہ بالای جھولوک است و دیوتہای گذر پانجا میباشند و آواز از انجا میخیزد  
 شکم مہا پرس است۔

آتش قیامت صغری اشتباهی حاضر می‌مهاپرس است و خشک شدن آبها در قیامت صغری آتشنگی  
 (و آب خوردن) مهاپرس است - سرگ لوک که بالای بھولوک است و طبقه ایست از طبقات بہشت  
 سینہ مهاپرس است کہ ہمیشہ شادی و خوشحالی و آرام دروست - و جمیع ستارہ ہا از اقسام جواہر  
 مهاپرس است - بخشش پیش از سوال کہ جوہر و فضل است پستان راست و بخشش بعد از  
 سوال کہ عطا است پستان چپ مهاپرس است و اعتدال کہ رجوگن و متوگن باشند و آن را پرکت  
 گویند دل مهاپرس است و چنانکہ کنول سہ رنگ دارد، سفید و سرخ و بنفشہ دل ہم کہ بصورت  
 کنول است - سہ صفت دارد، و این از سہ رنگ ظہور است کہ بر سہا و لشن و ہمیشہ باشند -  
 بر سہا کہ من ہم نام دارد حرکت و ارادہ دل مهاپرس است - لشن رحم و مہر مهاپرس است  
 ہمیشہ قہر و غضب مهاپرس است - ماہ تبسم و خوشحالی مهاپرس است کہ حرارت الم و اندوہ  
 را بر طرف میسازد و شب کمان مهاپرس است - کوہ سمیر پرت استخوان میان پشت  
 مهاپرس است و کوہ ہای دست راست و چپ سمراستخوان فرعی ہای یعنی پسلی ہای مهاپرس  
 است - و بہشت فرشتہ کہ کوتوال اند و اندر کہ سردار آنہا است و کمال قوت دارد و  
 بخشیدن و باریدن و نہ بخشیدن و نہ باریدن متعلق با دست ہر دو دست مهاپرس اند و دست  
 راست بخشش و بارش و دست چپ امساک بخشش مهاپرس است - امچہر کہ حوران  
 بہشت اند خطوط کف دست مهاپرس است - سہ فرشتہ لوگ پال دست راست مهاپرس  
 است (از بند دست تا انج اکن نام فرشتہ) و جم فرشتہ بازوی مهاپرس است و لوگ پال  
 فرشتہ دست چپ مهاپرس است - کبیر فرشتہ زانوی پای مهاپرس است و کلپ  
 بر چہ کہ طوبی باشد عصای مهاپرس است ، قطب جنوبی کتف راست و قطب شمالی  
 کتف چپ مهاپرس است و برن نام فرشتہ لوگ پال کہ موکل آب است و در سمت مغرب  
 میباشند مہرہ مگردن مهاپرس است - انا بہت کہ سلطان الاذکار است آواز بار یک مهاپرس  
 است - مہر لوک کہ بالای سرگ لوک است گلو و گردن مهاپرس است - جن لوک کہ بالای

مهر لوک است رومی مبارک مہا پرس است - شرم و حیا لب بالای مہا پرس است - سینه یعنی  
 محبت و الفت بن دندانہائی مہا پرس است و خورش خوراک مہا پرس است - عنصر آب کام و دھڑ  
 مہا پرس است - سرستی قوت ناطقہ مہا پرس و چار بید یعنی چہار کتبِ سدی و راستی گفتار  
 مہا پرس است - بایا یعنی عشق کہ باعث ایجاد عالم است خندہ و خوش طبعی مہا پرس است  
 ہشت جہت عالم ہر دو گوش مہا پرس است - اشنی کمار کہ دو فرشتہ در کمال حسن اند - ہر دو  
 پترہ بتی مہا پرس اند - گذرتن مانتر یعنی عنصر خاک قوت شامہ مہا پرس است - عنصر باد  
 نفس زدن مہا پرس است - میان جن لوک طبقہ پنجم و ششم بہشت است و از نور ذات  
 پر است نصف جنوبی آن چشم راست و نصف شمالی آن چشم مہا پرس است - واسل نور کہ  
 آن را آفتاب ازلی گویند قوت بینائی مہا پرس است - تمام آفرینش نگاہ لطف مہا پرس  
 است - روز و شب عالم چشم بر ہم زدن مہا پرس است - متر نام و فرشتہ کہ موکل دوستی و  
 محبت است - دوستان نام فرشتہ کہ موکل قہر و غضب است ہر دو بروی مہا پرس است -  
 پت لوک کہ بالای جن لوک است پیشانی مہا پرس است - ولو کہ بالای ہر لوک ہا است  
 کاسہ سر مہا پرس است - آیات توحید و کتاب التذام الدماغ مہا پرس است ابرامی سیاہ کہ  
 باران مہا پری دارد موسی سر مہا پرس است - و نباتات ہمہ کویہ ہا موسی بدن مہا پرس است -  
 لچمی کہ دولت و خوبی عالم است حسن مہا پرس است - آفتاب درخشاں صفای بدن مہا پرس  
 است - بصوت اکاس مسامات بدن مہا پرس است - جدا کاس روح بدن مہا پرس است  
 صورت ہر فرد انسان خانہ مہا پرس است - انسان کامل خلوت خانہ و محل خاص مہا پرس  
 است - چنانچہ بفرمودہ باد و علیہ السلام کہ داود برای من خانہ بساز - گفت خداوند تو منزہ ای  
 از خانہ فرمود خانہ من تویی دل راز غیر خالی کن - و ہر چہ درین برہاند بر سبیل تفصیل است -  
 در انسان کہ نسخہ عالم کبیر است بطریق اجمال ہمہ موجود است، کسیکہ چنین داند و بیند اورا است حیون  
 مکت و در حق اوست آیہ کریمہ فرحین بما آتاکم اللہ من فضلہ یعنی خوشحال است آن جماعت

آنچه داده است ایشان را خدای تعالی از فضل خود۔

دوم۔ سر ب مکت یعنی رستگاری همه و آن استهلاک در ذاتست و آن شامل همه موجودات است و بعد از قیامت کبری و فنا ی آسمان و زمین و بهشت و دوزخ و نبودن بر نهادن و نبودن روز و شب از محویت در ذات رستگار و خلاص باشند و آیه کریمه وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَالْإِنِّ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لِأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی بدرستی که عارفان خدا را نیست ترسی و نیستند آنها اند و گمین اشاره بهین مکت است۔

سیوم۔ سر ب مکت یعنی رستگاری پس سر ب مکت آن باشد که در هر مرتبه که سیر کند خواه در روز خواه در شب خواه در عالم باطن خواه در عالم ظاهری خواه بر همانند نماید خواه نماید خواه در ماضی خواه حال خواه در مستقبل که بجهت بجهت بر همان گویند عارف و رستگار و خلاص باشد و بیجا که در آیات قرآنی در باب بودن در جنت خلدین فیها ابداً واقع شده یعنی همیشه خواهند بود در آن بهشت مراد از جنت معرفت است و مراد از لفظ ابداً ابدیت است چه در هر نشانی که باشد اسناد معرفت و عنایات ازلی در کار است چنانچه این دو آیه کریمه در باب این چنین جماعت وارد است۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ خَلْدٍ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ یعنی مژده میدهد ایشان را پروردگار ایشان بر رحمتی از خود مژده میدهد بفرودس اعلی و بهشتها که مژده ایشان را است۔ در آن بهشتها نعمتهای دائمی و رستگاری بے القطار از نزدیک حق تعالی بدرستی که بزرگ۔ و نیز آیه کریمه دیگر وَ يُبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَجْرًا حَسَنًا مَا كُنْتُمْ فِيهِ أَبَدًا یعنی مژده میدهد بپیغمبری اللہ علیہ وسلم مومنان را که عمل میکنند نیک که حصول معرفت حق سبحانه تعالی باشد و بدرستی که مر عارفان راست مزدی نیکو که فرودس اعلی باشد و درنگ کنندگان باشند و همیشه مانندگان اندران فرودس اعلی۔

## ۲۱ بیان روز و شب

الوہیت ظہور و بطون بطور موحدان ہند عمر برہما کہ جبرئیل باشد و فتای برہاند تمامی روز  
 الوہیت باشد ہزردہ انج سال دنیا سن کہ ہر انج ہزار سال دنیا باشد بموجب این دو آیت کریمہ  
 وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ یعنی بدرستی کہ روزیست نزدیک و دور گار  
 تو مانند ہزار سال می شمارند اہل دنیا و آیت کریمہ تعرج المملکت والروح الیہ  
 فی یومہ مکان مقلارہ خمسين الف سنۃ یعنی راجع می شوند بسوائے پروردگار  
 خود فرشتگان و روح کہ عبادت از جبرئیل و برہاست در روزیکہ مقدار آن روز پنجاہ ہزار سال  
 و ہر روز ازین پنجاہ ہزار سال متعارف است کہ در آیت اول بآن تفسیر صحیح شدہ پس مدت  
 عمر جبرئیل و مدت عمر روز و عمر تمامی عالم کہ برہاند باشد حساب میکنم ہیچہ انج سال  
 دنیا باشد و ہر انج ہزار سال باشد فی کم و زیادہ مطابق حساب موحدان ہند و بدانکہ  
 خصوصیت اعداد ہزردہ نزد ایشان منحصر بہشت دہ است و ازین بالا تری مرتبہ شمار قرار  
 نہ دادہ اند۔ و قیامت ہای صغری کہ درین میان گزشتہ اند و خواهند گزشتہ آن قیامت  
 را کھندہ پری میگویند مثل طوفان آب یا طوفان آتش یا طوفان باد، چون این مدت  
 تمام گردد این روز شام شود و قیامت گیری خواهد شد کہ آنرا ہا پری گویند بحکم این دو  
 آیت کریمہ: یوم نبدل الارض غیر الارض یعنی روزیکہ بدل کردہ شود زمین را بغیر  
 زمین و یوم نطوی السماء عطفی السجیل للکتب یعنی روزیہ پیچیم آسمان را مانند  
 کاغذ برای کتابت۔ و بعد از قیامت کبری در شب بطون کہ در برابر روز ظہور است و  
 استہلاک جمع تعینات در حضرت ذات خواهد شد نیز ہزردہ سال انج دنیا است او ستھاتم  
 کہ عبارت از سکھویت و جبروت است، مدت این سکھویت حضرت ذات است کہ او را  
 فراغ است۔ از ایجاد خلق و اعدام عالم و آیت کریمہ سنفرغ کسما آید الثقلن۔  
 یعنی زود است کہ فراغ میشوم از شما ای جن و انس اشارہ باین سکھویت است۔



و حضرت ذات در ایام ظہور عالم در مقام ناسوت است۔ و در قیامت بای صغری در مقام ملکوت و بعد از قیامت کبری در مقام جبروت۔

اے عزیز! آنچه درین باب نوشتہ شدہ بعد از وقت تمام و تحقیق بسیار مطابق کشف خود است در این کشف باین دو آئیہ کریمہ مطابق افتاد و بانکہ تو در ہیچ کتابی ندیدہ و از ہیچکس نشنیدہ۔ اگر برگوش بعضی از ناانصاف گراں آید ما را ازین معنی باکی نیست۔ فان اللہ غنی عن العالمین

### (۲۲) بیان بی نہایتی ادوار

نزد محققان اہل ہند حق تعالی را نہ ہمیں یک شب و یک روز۔ بکہ این شب کہ تمام شود باز روز میشود و روز کہ آخر شود شب می آید۔ اِلٰی غیر النہایت و ایں را نادیدہ و نہ میگویند خواجہ حافظ عالیہ الرحمۃ اشارہ بہمیں بی نہایتی ادوار نمودہ گفتہ است۔

ماجرای من و معشوق مرا پایان نیست : ہر چہ آغاز ندارد نیز ہر چہ انجام و ہر چہ از خصوصیات ظہور ذات و مخفیات در روز و شب پیشین شدہ بی کم و بیش در روز و شب دیگر بعینہ عود کند بموجب آئیہ کریمہ : کَمَا بَدَا اَوَّلَ خَلْقٍ لَعِيْدًا یعنی چنانکہ ظاہر کرد انیدیم در اول خلفت موجوداتی را کہ معدوم گشتہ بود پس بعد از تمام شدن (اہل) دورہ باز عالم ابوالبشر آدم علیہ السلام بعینہ پیدا شود و لایزال چنین باشد و آئیہ کریمہ کَمَا بَدَا اَوَّلَ تَعْوِدٍ و ن نیز دلالت بریں معنی میکند یعنی چنانکہ اول شمار پیدا کردم باز ہماں طور پیدا کنیم۔ اگر کسی شبہ کند کہ خاتمیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ازین ثابت نمیشود میگویم کہ در روز دیگر نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ موجود خواهد کردید و خاتم پیغمبران آن روز خواهد کردید و اہل حدیث شب معراج نیز دلالت برہمیں معنی میکند۔ میگویند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قطار شتران را دید کہ لاینقطع میروند و بر ہر یکی دو صندوق بار است و در ہر صندوق عالمی است مثل ہمیں عالم و در ہر عالم مثل خود محمدی۔ از جبرئیل پرسید کہ ایں چیست۔ گفتہ بار رسول اللہ از وقتیکہ آفریدہ شدہ

ام می بینم که این قطار شتران با صندوق میروند و من هم نمیدانم که این چیست و این اشاره به بی  
 نهایتی ادوار است۔

الحمد لله والمنة که توفیق اتمام رساله مجمع البحرین یافته شد در سنه یک هزار و شصت  
 و پنج هجری نبوی که چهل و دویم از سنین عمر این فقیر فی اندوه محمد دار اشکوه بود۔

والسلام



## اُردو ترجمہ — مجمع البحرین

بنا نام آنکہ اونامے نہ دارد : بہر نامیک خوانی سر بردارد  
 میں اس کتاب کو خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے اسے جس نام سے  
 بھی پکارا جائے وہی اس پر بھیتا ہے۔

سب تعریفیں اس خداے وحدہ لا شریک کے لائق ہیں جس نے اپنے بے نظیر بے مثل رُخِ زیبا پر  
 کفر و اسلام کی دو متضاد صفتوں کی دو زلفیں ظاہر فرمائیں لیکن ان دونوں میں سے کسی کا بھی اپنے  
 رُخِ زیبا پر نقاب نہیں ڈالا۔

عے کفر و اسلام در رہش پویاں : وحدہ لا شریک لہ گویاں ے  
 یعنی مسلمان اور کافر دونوں راہ خدا میں سعی بلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دونوں ہی خدا کو  
 وحدہ لا شریک سمجھتے ہیں۔

ہر ایک چیز میں اسی کی ذات کے کرشمے نظر آتے ہیں اور ہر چیز اسی سے جلوہ گر ہوئی  
 ہے تمام مخلوقات سے پہلے بھی اسی کی ذات موجود تھی، آخر بھی ہے گی۔ اور اس کے سوا کوئی  
 بھی چیز باقی نہ رہے گی۔

۱۔ یہ شعر کتاب حقیقۃ الحقیقت مصنف حکیم سانی سے منقول ہے۔ داراشکوہ نے بھی اسی مضمون میں

ایک رباعی کہی ہے۔  
 ہر قطرہ آب ہست عین دریا  
 سب ذرہ ندریدیم ز خورشید جدا  
 سب نام کہ ہست از اسمانی خدا  
 حق را بہ نام تکیں تو اندخواندن  
 اسی مضمون کو مولانا جامی نے حسب ذیل رباعی میں بیان کیا ہے۔  
 کہ بادہ و گدگہ نام خوانیم ترا  
 کہ دانہ و گدگہ نام خوانیم ترا  
 خیر نام تو بر لوح جہاں چیزے نیست  
 آبا بکدام نام خوانیم ترا  
 ۲۔ یہ شعر ابوالفضل نے اس عمارت کے لیے منتخب کیا تھا جس کی بنیاد اکبر بادشاہ نے  
 کشمیر میں رکھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترک تھی۔ لہذا  
 دربار اکبری مصنف محمد حسین آزاد ص ۲۵۲۔

رباعی :- ہمسایہ و ہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست : در ذلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست  
 در انجمن و شرق و نہا خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست لے  
 یعنی ہمسایہ ہم نشین اور ساتھی سب اسی ذات کے کرتے ہیں گداگر کی گدڑی میں اور بادشاہ  
 کے ریشمی لباس میں اسی کی ذات ہے۔ خدا کی قسم مخلوق اور پردہ خانوں میں اسی کی ذات ہے۔  
 اور سجد و حساب درود و سلام نزول ہو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات  
 پر جس پر صفات الہی مکمل طور پر ظہور پذیر ہوئیں اور ان کے طفیل یہ سارا جہان پیدا ہوا۔ نیز آپ کی  
 آل کرام اور اصحاب عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی رحمت نازل ہو۔  
 سرد و سلوۃ کے بعد فقیر بے حزن داندوہ محمد دارا شکوہ عرض کرتا ہے کہ جب اس خاکسار کو  
 حقیقت الحقائق اور صوفیائے کرام کے مذہب برحق کے رموز و دقائق معلوم ہو گئے اور اس نعمت  
 عظمیٰ (ولایت) سے مشرف ہو گیا تو میں اس بات کے درپے ہوا کہ ہندو فقراء (جوگیوں) کا مشرب  
 اور طریقہ بھی دریافت کروں چنانچہ اس قوم کے بعض محققوں کا ملوں کے فیض صحبت سے بارہ فیضیا  
 ہوا اور حق شناسی کے متعلق ان سے مکرر گفتگو ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ان بزرگوں (جوگیوں)  
 کو نہایت ریاضت کش، بڑے سمجھدار اور خدا رسیدہ پایا اور حق شناسی و معرفت الہی کے متعلق صوفیائے  
 اور جوگیوں میں سوائے لفظی اختلاف اور نزاع کے اور کوئی فرق مجھے معلوم نہیں ہوا۔ لہذا میں نے  
 فریقین کے کلام میں مطابقت پیدا کر کے اور بعض اور اہم باتیں جمع کر کے ایک رسالہ مرتب کیا چونکہ  
 یہ رسالہ سرد و گروہ کے حقائق و معارف کا مجموعہ ہے اس لیے میں نے اس رسالہ کا نام مجمع البحرین  
 رکھا۔ اکابر صوفیائے کرام کا قول ہے :- النصفون ہوا لالصفاف و النصفون ترک التکلیف یعنی نصفون  
 انصفاف کا نام ہے نیز نصفون اس بات کو کہتے ہیں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچانی جائے پس اہل انصفاف  
 اور عقلمند لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ تحقیق حق وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے مجھے یقین ہے کہ

۱: یہ رباعی مولانا جامیؒ کی ہے جو دارا شکوہ نے اپنی کتاب حسنات العارفین ج ۳ صفحہ نمبر ۱۴ پر شطیحات کے ضمن میں نقل کی ہے۔

سلیم الطبع اور سمجھدار لوگ اس رسالہ سے نہایت محفوظ ہوں گے اور فریقین کے کج فہم اور کند ذہن لوگ اس کے لطف سے محروم رہیں گے اس رسالہ میں صوفیائے اسلام اور جو گیان بہد کے تصوفِ موحّدہ کی میں نے تحقیق کی ہے یہ میں نے اپنے کشفِ صحیح کے مطابق محض اپنے اہل بیت کی خاطر قلمبند کی ہے مجھے فریقین کے عوام اور اہل ظاہر سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کا قول ہے کہ "اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی بہت بڑا مجرم کافر توحید کے متعلق نغمہ سرائی کر رہا ہے۔ تو میں ضرور بالضرور جا کر اس کافر کا نغمہ توحید سنوں اور اس کا ممنون احسان بن جاؤں" میں اس کتاب کی تباری میں اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق اور امید چاہتا ہوں۔

### (۱) عناصر کا بیان

جاننا چاہیے کہ عناصر پانچ ہیں تمام مادی مخلوقات انہی پانچ عناصر سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(۱) عنصر اعظم جس کو شریعت کی اصطلاح میں عرش اکبر کہتے ہیں۔

(۲) عنصر ہوا (۳) عنصر آتش (۴) عنصر آب (۵) عنصر خاک۔

ان پانچوں عناصر کو ہندی زبان میں "پانچ بھوت" کہتے ہیں۔ اکاس، ہوا، تیج، جل، پرتھی اکاس کی تین قسمیں ہیں۔ بھوت اکاس، من اکاس اور چداکاس، بھوت اکاس اس کو کہتے ہیں جو تمام عناصر کو گھیرے ہوئے ہے اور من اکاس اسے بولتے ہیں جو تمام مخلوقات کو محیط ہے اور چداکاس اس کو کہتے ہیں جو سب کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ چداکاس (خداوند کریم) برحق اور قدیم سے قرآن شریف کی کسی آیت اور وید مقدس کے کسی شبد سے چداکاس کا حادث ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے چداکاس سے عشق پیدا ہوا اس عشق کو فقر اور ہند کی زبان میں دیا کہتے ہیں

اے خواجہ ناصر الدین عبید اللہ خواجہ احرار کے لقب سے مشہور ہوئے ان کا یہ قول داراشکوہ نے حسانات العارفین صفحہ نمبر ۳۹ میں بھی نقل کیا ہے۔

القاف :- موصوف بہ صفات ہونا

نترک التکلیف :- تکلفات سے بری ہونا۔ باہم ملاپ :- بے تکلفی۔

چنانچہ یہ حدیث بھی اسی کی موید ہے یعنی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی مٹی میں تمہیں پھر لے جائیں گے۔  
(موت لے دیں گے) اور اسی مٹی سے دوبارہ زندہ کیوں گے۔

## ۲ حواس کا بیان

عناصر کی طرح حواس بھی پانچ ہیں (۱) شامہ (سونگھنے کی قوت) (۲) ذائقہ (چکھنے کی حس) (۳) باصرہ (دیکھنے کی قوت) (۴) سامعہ (سننے کی قوت) (۵) لامسہ (ٹھونکنے اور چھونے کی حس) ان حواس خمسہ کو ہندی زبان میں "پنج اندری" کہتے ہیں (۱) گہران (قوت شامہ) (۲) رسنا (قوت ذائقہ) (۳) چھپہ (قوت باصرہ) (۴) سروتر (قوت سامعہ) (۵) توک (قوت لامسہ) اور ان حواس خمسہ سے محسوس ہوتی ہیں ان کو ہندی زبان میں گندھارس، روپ، ماسید اور سپرس کہتے ہیں۔

ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حواس ایک ایک عنصر کی جنس ہے اور اس کی طرف منسوب ہے چنانچہ قوت شامہ عنصر خاک کی طرف منسوب ہے کیونکہ عنصر خمسہ میں سے خاک ہی ایک ایسا عنصر ہے جس کی بو محسوس ہوتی ہے اور اس بو کا احساس قوت شامہ کرتی ہے اور ذائقہ عنصر آب کی طرف منسوب ہے چنانچہ عنصر آب (لعاب کی شکل میں) زبان میں پایا جاتا ہے اور قوت باصرہ عنصر آتش کی طرف منسوب ہے کیونکہ جیسا کہ عنصر آتش میں نور پایا جاتا ہے اسی طرح قوت باصرہ میں بھی نور البصر پایا جاتا ہے جس کے ذریعے آنکھیں اشیاء کا رنگ روپ دیکھ سکتی ہیں۔ قوت لامسہ عنصر باد سے مناسبت رکھتی ہے کیونکہ جس قدر اشیاء ٹھولی جاتی ہیں وہ سب ہوا کے ذریعے سے ہی ٹھولی جاتی ہیں اور قوت سامعہ عنصر اعظم کی طرف منسوب ہے جس کو فقراء ہند "مہا اکاس" (رخ باری تعالیٰ) کہتے ہیں۔ قوت سامعہ کے ذریعے آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور کانوں کے ذریعے ہی سے اہل دل پر "مہا اکاس" کی حقیقت منکشف ہوتی ہے دوسرا کوئی حواس اس کی حقیقت پر مطلع نہیں ہو سکتا اور یہ "مہا اکاس" اور وجہ الہی کی شناخت کا ایک ایسا شغل (وظیفہ) ہے جو صوفیائے اسلام و فقراء اہل ہند کا مشترکہ معمول ہے صوفیائے کرام اس شغل کو "پاس الفاس" کہتے ہیں

اور فقرا و مہند اپنی اصطلاح میں اس کو "دھن" بولتے ہیں۔

یہ تو جو اس خمسہ ظاہری کا ذکر تھا۔ اب جاننا چاہیے کہ جو اس باطنی بھی پانچ ہی ہیں جس میں مشترک، متحیا، متفکرہ، حافظہ، واہمہ اہل ہند کے نزدیک جو اس چار عدد ہیں۔ بدھ، من، اہنکار، چت۔ ان چاروں کے مجموعہ کو "انہ کرن" کہتے ہیں۔ یہ انہ کرن کو یا پانچوں جو اس (واہمہ) کے جا بجا ہیں۔ چت میں ایک عادت پائی جاتی ہے جس کو ہندی زبان میں "ست پرکرت" کہتے ہیں یہ عادت چت کے پاؤں کے جا بجا ہے۔ اگر یہ عادت مفقود ہو جائے تو چت معطل و بیکار ہو جاتا ہے۔

پہلا جو اس بدھ عقل کو کہتے ہیں۔ بدھ کا یہ کام ہے کہ انسان کو نیکی کی ہدایت کرنی ہے اور بدی سے منع کرنی ہے دوسرا جو اس "من" ہندی میں دل کو کہتے ہیں۔ من میں دو تو ہیں پانی جاتی ہیں۔ سنکلیپ یعنی کسی کام کا ارادہ کرنا "پکلیپ" یعنی ارادہ کو توڑ دینا۔ تیسرا جو اس چت دل کے قائد کو کہتے ہیں جس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر طرف جلا امتیاز بھلائی اور برائی کے دوڑے پھرتا ہے جو بھتا جو اس اہنکار اس کے معنی ہیں۔ اشیاء کو اپنی طرف منسوب کرنے والا۔ اہنکار دراصل پرما تمانکی ہی ایک صفت ہے جو اس کو بند رعبہ یا ادر عشق لاحق ہوتی ہے اہنکار کی تین قسمیں ہیں سانگ، راجس، تامس اہنکار سانگ یعنی گیان سرورپ ایک اعلیٰ ترین صفت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ پرما تمانکتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے وہ سب میرا ہی ظہور ہے۔ یہ مرتبہ اور صفت تمام اشیاء کو کلی طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "الانہ کے جکل سشی" محیط یعنی ہوشیار ہو۔ خدا تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والا ہے نیز ارشاد باری ہے: "هو الاول والاخر والظاهر والباطن یعنی خدا تعالیٰ ہی اول ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔"

اور "اہنکار راجس" اہنکار سانگ اور اہنکار تامس کے مابین اوسط درجہ کی صفت ہے جس کے معنی ہیں کہ جو آتما کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ میری ذات، بدن اور عناصر سے پاک ہے جسمانیت کو منجھ سے کوئی نسبت نہیں ہے چنانچہ ارشاد باری ہے یسے کشلہ سشی یعنی خدا تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں ہے نیز ارشاد خداوندی ہے

فان اللہ عنی عن العالمین یعنی خدا تعالیٰ ظہورِ عالم سے بے نیاز ہے پر واہ ہے۔  
 "اہنکار تاس" اور اہنکار راجس و اہتکار سانگ سے ادنیٰ درجہ کی صفت ہے اہنکار  
 تاس کو ہندی زبان میں اودیا یعنی مرتبہ عبودیت (بندگی) کہتے ہیں۔ اس صفت سے ادنیٰ  
 ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان نہایت بجز وانکسار سے اپنے آپ کو نادان اور غافل سمجھے اور اپنی چند منزلوں  
 (محسوس دنیاوی زندگی) کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہے کہ مجھ میں اور تجھ میں بہت بڑا فرق ہے تیرا ذات  
 اقدس وحدہ لا شریک ہے اور میں بندہ پرگناہ ہوں چنانچہ اسی مضمون کو اس آیت میں بیان  
 کیا گیا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ لوگو!  
 میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ پشت کتا ہے کہ جب حضرت وجود نے متعین ہونا چاہا تو  
 محض اس ارادہ سے وہ پریم آتما ہو گیا۔ جب اس کا تعین اور بڑھ گیا تو اہنکار بن گیا اور جب ذرا تقید  
 اس میں بڑھ گیا تو وہ مہانت (عقل کل) کے نام سے موسوم ہوا۔ سنکپ (عوم مسعم اور مہانت  
 سے من یعنی دل بنا۔ دل کو ہندی میں پرکرت بھی بولتے ہیں۔ اور سنکپ و من سے بنج گیان  
 اندری (حواس خمسہ ظاہری) پیدا ہوئے سنکپ اور بنج گیان اندری سے تمام اعضا جسمانی  
 پیدا ہوئے ان سب کے مجموعہ کو بدن یا سہیہ کہتے ہیں پس پریم آتما کا منظر اول محمد صلی اللہ  
 علیہ وسلم اور منظر ثانی حضرت روح القدس (جبریل علیہ السلام) میں پریم آتما سے تمام تقیدات  
 (مخلوقات) خود پیدا کئے ہیں۔ اور اپنا آپ کو خود ہی ان تقیدات سے دالبت کیا ہے جیسا کہ ریشم  
 کا کیرا۔ ریشم کی تاریں اپنے لعاب دہن سے نکال نکال کر ان میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتا ہے۔  
 اسی طرح خداوند تعالیٰ نے یہ تمام دہی قیود از خود پیدا کر کے اپنے آپ کو ان میں ظاہر فرمایا ہے  
 جیسا کہ درخت کا بیج اپنے اندر سے ایک درخت نمودار کرتا ہے پھر اسی درخت میں خود بھی ظاہر ہو  
 جاتا ہے بلکہ تمام شاخوں، پتوں اور پھولوں میں بھی اس کا بیج ظاہر ہوتا ہے پس اچھی طرح سمجھو  
 لو کہ خدا تعالیٰ جہاں پیدا ہونے سے پیشتر اپنی ذات اقدس میں مخفی تھا اور ظہورِ عالم کے بعد تمام جہان  
 میں پوشیدہ ہے۔



## ۱۳۲ شغل کا بیان

فقراء ہند کے نزدیک ویسے تو بہت سے اشغال ہیں لیکن سب سے بہتر شغل ان کے نزدیک ”اجپا“ کا شغل ہے یہ شغل ”اجپا“ اس قسم کا شغل ہے کہ تمام جانداروں سے ہمیشہ اور ہر وقت خواب و بیداری میں فصداً اور بلا قصد صادر ہوتا رہتا ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے ”یعنی درحقیقت ہر ایک چیز خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول رہتی ہے لیکن ان کی یہ حمد و تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی“ (قرآن مجید)

الغرض شغل ”اجپا“ کا یہ طریقہ ہے کہ فقراء ہند سالس کی آمدورفت کو دو لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی جب سالس باہر آتا ہے تو اس وقت لفظ ”او“ کہتے ہیں اور جب سالس اندر جاتا ہے تو لفظ ”من“ کہتے ہیں جس کا مجموعہ او منم ہو جاتا ہے اور صوفیائے اسلام بجائے او منم کے ”هو اللہ“ کا شغل کرتے ہیں یعنی سالس جب باہر جاتا ہے تو ”هو“ کہتے ہیں اور جب اندر جاتا ہے تو ”اللہ“ کہتے ہیں تو یہ دونوں لفظ (هو اللہ) ہر جاندار سے ہر وقت بلا قصد و اختیار صادر ہوتے رہتے ہیں اور اس کو اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

## ۱۳۱ صفات الہی کا بیان

صوفیائے کرام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی دو صفیں جمال اور جلال ہیں تمام مخلوقات ان دونوں صفات کے ماتحت ہے اور فقراء ہند کے نزدیک صفات الہی تین ہیں جن کے مجموعہ کو ”ترکن“ کہتے ہیں ست۔ راج۔ تم۔ ست کے معنی ایجاد اور راج کے معنی البقاء (باقی رکھنا) اور تم کے معنی انشاء (نا بود کرنا) صوفیائے کرام البقاء کی سفت کو جمال میں داخل سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہ تینوں صفات الہی ایک دوسری میں مندرج ہیں لہذا فقراء ہند ان تینوں صفات کو دوسرے لفظوں میں تر مورت بولتے ہیں اور الگ الگ ہر صفت کو علی الترتیب برہما، بشن اور مہیش کہتے ہیں اور صوفیائے عظام کی اصطلاح میں جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل بولتے ہیں۔ برہما (جبرائیل) ایجاد عالم کا موکل

ہے اور لیشن (میکائیل) البقاء عالم کامل ہے اور ہمیشہ (اسرافیل) افاء عالم کامل ہے۔ عنصر آب و باد و آتش بھی انہی مولوں کی طرف منسوب ہے۔ عنصر آب حیرتیل علیہ السلام کی طرف اور عنصر باد اسرافیل کی طرف اور عنصر آتش میکائیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور یہ تینوں اشیاء (آب، باد، آتش) تمام جانداروں میں پائی جاتی ہیں۔ برہما کی صفت جو کہ عنصر آب سے مناسبت رکھتی ہے جانداروں کی زبان میں پائی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ جاندار بولتے ہیں اور یہی صفت برہما کلام الہی کی مظہر ہے اور صفت لیشن جو کہ عنصر آتش سے مناسبت رکھتی ہے جانداروں کی آنکھوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی صفت لیشن کی بدولت روشنی، نور اور بینائی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور صفت ہمیشہ جو کہ عنصر باد کی طرف منسوب ہے جانداروں کے ناک میں پائی جاتی ہے۔ اس صفت کے ذریعے ہی جانداروں کے سانس کی آمد و رفت ہے۔ یہ سانس کی آمد و رفت دو نغزہ صورت کی جا بجا ہے جب سانس کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو جاندار فانی اور مردہ ہو جاتا ہے۔ ترکن خداوندی کی صفات کا نام ہے وہ تین صفات ایجاد، البقاء اور افاء ہیں۔ ان تین صفات کے نام برہما، لیشن اور ہمیشہ ہیں جن کے صفات تمام مخلوقات میں ظاہر ہیں۔ پہلے مخلوق پیدا ہوتی ہے پھر ایک معین مدت تک باقی رہ کر نابود ہو جاتی ہے ان تینوں صفات کی قدرت ”شکت“ کہلاتی ہے شکت کو تردیومی بولتے ہیں اس شکت سے تر مورت یعنی برہما لیشن اور ہمیشہ پیدا ہوئے اور تردیومی سے یہ تین چیزیں پیدا ہوئیں۔ سستی و پارہتی اور لچھمی، سستی، رجوگن اور برہما سے تعلق رکھتی ہے اور پارہتی، رجوگن اور ہمیشہ سے اور لچھمی سے گزرا اور لیشن سے تعلق رکھتی ہے

### (۱۵) روح کا بیان

روح کی دو قسمیں ہیں ایک مطلق روح اور دوسری ابوالارواح، فقراء ہند مطلق روح کو ”آتما“ اور ابوالارواح کو ”پرما آتما“ کہتے ہیں جب ذات باری تعالیٰ لطافت یا کثافت سے متعین اور مقید ہوتی ہے تو وہ مجرد اور لطیف ہونے کے باعث روح اور آتما کہلاتی ہے اور جسمانی و کثیف ہونے

کے باعث ستر میر (بدن) کہلاتی ہے اور جو ذات کہ ازل میں متعین ہو گئی اس کو روح اعظم بولتے ہیں۔ یہ روح اعظم ذات جمیع الصفات کے ساتھ جگانہ صفت ہے اور جس ذات میں تمام ارواح داخل ہیں اسے پرما تھا اور البوالار روح کہتے ہیں پانی اور موج کی مثال بدن اور روح یا ستر میر اور آتما کی سی ہے اور تمام موجوں کے مجموعہ کی مثال کلی طور پر البوالار روح اور پرما تھا کی سی ہے اور محض پانی کی مثال حضرت وجود سدھ اور عین کی سی ہے۔

### (۶) ہوا کا بیان

جو ہوا بدن انسانی میں حرکت کرتی ہے جب وہ پانچ جگہوں میں پہنچتی ہے تو وہ پانچ ہی ناموں سے موسوم ہو جاتی ہے پران، اپان، سمان، اودان، ویان پران وہ ہوا ہے جو ناک سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سرایت کئے ہوئے ہے سانس کی آمد و رفت اسی ہوا کی خاصیت ہے اپان وہ ہوا ہے جو نشتہ گاہ (چوتڑوں) سے لے کر تناسل تک حرکت کرتی ہے یہ ہوا ناک کے ارد گرد پھرتی رہتی ہے اور انسان کی زندگی اسی ہوا پر منحصر ہے۔ سمان وہ ہوا ہے جو سینہ اور ناف میں حرکت کرتی ہے اودان وہ ہوا ہے جو حلق سے لے کر اتم الدماغ تک پھرتی رہتی ہے دیان وہ ہوا ہے جو انسان کے تمام ظاہری و باطنی اعضاء میں بھری ہوئی ہے۔

### (۷) چار عالموں کا بیان

تمام مخلوقات کو عالموں میں سے گزرنا ضروری اور لازمی امر ہے عوالم کی تعداد میں اختلاف ہے بعض صوفیائے کرام کے نزدیک عوالم پانچ ہیں عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت اور عالم مثال اور بعض صوفیائے عظام کے نزدیک عالم چار ہیں۔ ان کے نزدیک عالم مثال کوئی الگ عالم نہیں ہے بلکہ وہ عالم ملکوت کو ہی عالم قرار دیتے ہیں۔

فقراء ہند کے نزدیک بھی عالم چار ہی ہیں جاگرت، سپن، سکھوپت، تر یا، عالم ناسوت، عالم ظاہری

و عالم بیداری کو کہتے ہیں "سپن یا عالم ملکوت" عالم ارواح و عالم خواب کو بولتے ہیں "سکھوت یا عالم جبروت" اس عالم کو کہتے ہیں جس میں مذکورہ بالا ہر دو عالم کے نقوش اور میرے تیرے کا امتیاز نہ ہو۔ یہ عالم آنکھیں بند کر کے بھی دکھائی دے سکتا ہے اور آنکھیں کھلی رکھ کر بھی۔ بہت سے فقراء کو اس عالم جبروت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ سردار صوفیائے کرام حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "کچھ دیر بے تیمار بیٹھنے کا نام نقیصہ ہے۔"

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی نے حضرت جنید بغدادیؒ سے روایت کیا ہے کہ بے تیمار کسے کہتے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: بے تیمار اُسے کہتے ہیں کہ مطلوب بلا تلاش مل جائے اور ان ظاہری آنکھوں سے دیکھے بغیر ہی اس کا دیدار ہو جاوے۔ کیونکہ دیدارِ مطلوب کا باعث خود دیکھنے والا ہوتا ہے (نہ کہ اس کی آنکھیں) پس بے تیمار بیٹھنے کے یہی معنی ہیں کہ اس وقت عالمِ ناسوت و عالمِ ملکوت کے نقوش کا دل میں گزر نہ ہونے پائے حضرت مولانا روم نے بھی حسبِ ذیل ابیات میں اس قولِ جنیدؒ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خواہی کہ بیانی یک لحظہ مجولیش : خواہی کہ بدانی یک لحظہ مدانش  
چوں در نہانش جوی دوری ز آشکارش : چوں آشکار جوی مجوبی از نہانش  
چوں ز آشکار و پنہاں بیرون شوی بر بلن : پامہ دراز میکن خوش حسب در امانش  
یعنی اے طالب اگر تم مطلوبِ حقیقی تک رسائی چاہتے ہو تو اسے ظاہری تلاش سے مت دھونڈو۔  
نہیں اگر تم اس کی معرفت کے طالب ہو تو ظاہری طریقوں سے معرفت حاصل نہ کرو۔ اگر تم اسے باطنی طور پر (عالمِ ملکوت) میں تلاش کرو گے تو عالمِ ناسوت سے بے خبر اور ڈور ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر تم ظاہر و باطن (عالمِ ناسوت و عالمِ ملکوت) سے نکل کر بر بلن اور دہلیں کے ذریعے عارف الہی بن جاؤ گے۔ تو پھر تم پاؤں پھیلا کر پناہ خداوندی میں بیٹھی نیند سو جاؤ۔

"تریاہ" یا عالمِ لاہوت ذاتِ باری تعالیٰ کو کہتے ہیں چونکہ مذکورہ الصدر پر سہ عالم کو محیط اور شامل ہے اور ان کا عین ہے اگر انسان کی سیر عالمِ ناسوت سے عالمِ ملکوت تک اور عالمِ ملکوت سے

عالم جبروت تک اور عالم جبروت سے عالم لاہوت تک ہو تو یہ انسان کی ترقی ہے اور اگر حضرت حقیقت الحقائق (جس کو فقراء ہند اوسن بولتے ہیں) مرتبہ لاہوت سے نزول فرمائے اور عالم جبروت ملکوت سے گزر جائے تو اس کی سیر عالم ناسوت پر جا کر ختم ہو جائے گی اور یہ جو نزول کے درجے بعض صوفیوں نے چار اور بعض نے پانچ قرار دیئے ہیں وہ اسی سیر حقیقت الحقائق کی طرف اشارہ ہے۔

### (۸) آواز کا بیان

آواز اسی نفس الرحمان (خدا کی سانس) سے پیدا ہوتی ہے جو کہ ایجاد عالم کے وقت لفظ کن سے ظاہر ہوئی۔ اسی خدائی آواز کو فقراء ہند سستی کہتے ہیں باقی تمام آوازیں اور صدائیں اسی آواز (سستی) سے پیدا ہوتی ہیں :

ہر کجا بشنوی چونغز او است ۛ کہ شنید این چنیں صدائے دراز  
جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک نور ہے جس کو میں دیکھتا ہوں۔ اگر اس حدیث کو علمائے ظاہرین کے مطابق نور انی ارافہ ہی پڑھا جائے تو بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کا دیدار دنیا میں نہیں کیا۔ البتہ اس سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اس کی ذات محض کا دیدار ناممکن ہے نہ یہ کہ مطلقاً اس کا دیدار ناممکن ہے اگر اس حدیث میں انی پڑھا جائے تب تو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پردہ نور میں اس کا دیدار کامل ہو سکتا ہے اور اگر انی پڑھا جاوے تو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ محض ذات باری تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے۔ یہ اختلاف دراصل عبارتی نہیں ہے بلکہ اعجاز نبوی ہے کہ ایک حدیث میں دو مسئلے بیان کر دیئے اور یہ آیت دیدار الہی کی بتیں دلیل ہے۔ وجوه یومئذ ناہیة الہی ربہا ناظرة یعنی اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی ذات محض کا دیدار ناممکن ہے لا تدركہ الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر یعنی اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے

اور وہ نہایت لطافت اور نیرنگی میں ہے۔ اس آیت میں جو ”ہو“ کا لفظ ہے یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات محض کا دیدار نہیں ہو سکتا۔

دیدار الہی کی پانچ قسمیں ہیں اول خواب میں۔ دل کی آنکھوں سے۔ دوم بیداری کی حالت میں ان ظاہری آنکھوں سے، سوم بیداری اور خواب کی درمیانی حالت (بیخودی و استغراق کی حالت) چہارم ایک خاص تعین میں دیدار ہونا۔ پنجم عالم ظاہری و باطنی کے کثرات تعینات میں خدا تعالیٰ کی ذات واحد کا دیدار ہونا۔ یہ پانچوں دیدار حضور علیہ السلام کو اس وقت ہوا جبکہ باری تعالیٰ میں آپ فنا ہو گئے اور دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے میں بظاہر کوئی فرق نہیں رہا۔ اور آپ کا خواب بیداری بیخودی سب ایک دکھائی دینے لگا۔ اور آپ کی ظاہری و باطنی آنکھیں ایک ہو گئی تھیں دیدار الہی کا کمال درجہ یہی ہے اس درجہ میں دنیا و آخرت دونوں یکساں ہیں۔ نیز یہ دیدار ہر حکم اور ہر وقت میں ہوتا ہے۔

## ۹ اسمائے الہی کا بیان

جاننا چاہیے کہ اسمائے الہی بے انتہا ہیں۔ ذات مطلق و بحت و صرف و غیب الغیب و حضرت واجب الوجود کو فقراء ہند کی زبان میں اسن، نرگن، نرنکار، نرنجن، ست چت کہتے ہیں۔ اگر علم کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو اہل اسلام کے نزدیک اس کو علیم اور فقراء ہند کے ہاں چتن کہتے ہیں اور اسم حق کو فقراء ہند امنت کہتے ہیں اور قادر کو سمرتھ، سمیع کو سرفتا، بصیر کو درشتا اور کلیم کو وکتا، اللہ کو آدم اور صو کو سہ بولتے ہیں۔ فرشتہ کو یہ لوگ دلیوتا کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مظہر اتم کو اذتا یعنی پیغمبر کہتے ہیں۔ اوتار اس کو بولتے ہیں کہ قدرت الہی کا اس میں ظہور ہوا اور جو کام خلاف عادت اس سے سرزد ہوں اور قدرت الہی اور خارق عادت کام اس وقت کسی دوسرے ہی نوع انسان سے ظاہر نہ ہو۔ جو وحی کہ پیغمبروں پر نازل ہوتی ہے اس کو یہ لوگ اکاس بانیا بولتے ہیں اکاس بانیا اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ یہ وحی اکاس (خدا کے رُخ زیبائے صادر ہوتی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

لے دیدار الہی کے مسئلہ پر دارا شکوہ نے شکینتہ الاولیاء میں بہت حوالوں اور سندوں کے ساتھ مفصل بحث کی ہے۔

کہ نزول وحی کا وقت مجھ پر تمام اذقات سے زیادہ کھٹن گزرتا ہے۔ وحی کو کبھی میں کھنٹی کی طرح سنتا ہوں اور کبھی زبور (بھٹڑ) کی آواز کی طرح، آسمانی کتابوں کو یہ لوگ بید کہتے ہیں۔ خوبصورت اور اچھے جنات (پرلوں) کو انچھرا کہتے ہیں اور برے اور بد معاش جنات کو راجھس کہتے ہیں آدمی کو منگھ، ولی کو رکھی اور نبی کو مہا سدر بولتے ہیں۔

### (۱۰) نبوت اور ولایت کا بیان

پیغمبروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ پیغمبر جنہوں نے خدا تعالیٰ کو ظاہری یا باطنی آنکھوں سے دیکھا ہو دوسرے وہ پیغمبر جنہوں نے خدا تعالیٰ کی آواز سنی ہو۔ خواہ محض آواز سنی ہو۔ یا وہ آواز سنی ہو جو حرف کلمات سے مرکب ہو۔ تیسرے وہ پیغمبر جنہوں نے فرشتہ وحی کو دیکھا ہو۔ یا اُس کی آواز سنی ہو۔ نبوت اور ولایت کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) نبوت و ولایت تنزیہی (۲) نبوت و ولایت تشبیہی (۳) نبوت و ولایت جو تنزیہ و تشبیہ کی جامع ہے۔

نبوت تنزیہی کی مثال جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کو تنزیہی (بلاکیت) دیکھا اور لوگوں کو ہدایت کی۔ سوائے محدودے چند لوگ ان پر ایمان لائے اور سب کے سب طوفان میں غرق ہو گئے۔ علیٰ ہذا القیاس اس زمانے کے زاہد (فقراء) جو کہ مریدوں کو تنزیہی خدا کی طرف دعوت کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیر و مرید میں سے کوئی بھی عارف الہی نہیں رہتا۔ نہ ہی ان کے اقوال سے مخلوق کو چنچاں فائدہ پہنچتا ہے یہ خشک زاہد راہ سلوک و طریقت میں محو رہتے ہیں اصل مطلوب کو نہیں سمجھتے۔

نبوت تشبیہی کی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جنہوں نے خدا تعالیٰ کو شعاع آتش میں دیکھا اور ابرہ میں سے خدا تعالیٰ کا کلام پاک سنا۔ اسی لیے اکثر امت موسوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے باعث تشبیہی میں مبتلا ہو کر گو سالہ پرست بن گئی۔ اس طرح ابھل جھٹل اورین بزرگوں کی تقلید سے تنزیہیہ سے دور جا پڑے ہیں اور تشبیہیہ میں گرفتار ہو گئے

ہیں۔ خوشنما اور عمدہ اشیاء کے دیکھنے اور لہو لعب میں مبتلا ہیں ایسے لوگوں کی پیروی ہرگز نہیں کرنی چاہیے ہے  
 ہر صورت دلکش کہ تزاروئے نمود : : خواہد فلک از چشم تو اش ز دور بود  
 ر و دل بکسے وہ کہ در اطوار وجود : : بود است و ہمیشہ یا تو خواہد بود  
 یعنی اے انسان جس قدر دلکش صورتیں تجھے نظر آ رہی ہیں خدا کو یہی منظور ہے کہ یہ صورتیں جلد سے جلد  
 تیری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو تمہیں چاہیے کہ اپنا دل اس ذات حق سے لگا دو جو ہمیشہ ہے  
 اور ہمیشہ ہی باقی رہے گا۔

نبوت جامع التزییہ والتشبیہ یعنی وہ نبوت جس میں تنزیہ اور تشبیہ دونوں جمع ہیں۔ جنت  
 سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جس میں مطلق خدا مقید (مخلوق) رنگ و بیرنگ  
 اور نزدیک و دور سب ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے  
 لیس حیلہ شئ یعنی اس کی مش کون پزیر نہیں ہے یہ لکڑا مرتبہ تنزیہ کی طرف اشارہ ہے  
 و هو السميع البصير یعنی وہ سننے والا دیکھنے والا ہے یہ مرتبہ تشبیہ کی طرف اشارہ ہے یہ مرتبہ  
 تمام مراتب سے اعلیٰ ہے جو کہ جامع اور خاتم المراتب ہے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص  
 ہے اسی لیے ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی نبوت مشرق سے لے کر مغرب تک تمام جہان کو شامل ہے  
 نبوت تنزیہی نبوت تشبیہی سے محروم ہوتی ہے اور نبوت تشبیہی نبوت تنزیہی سے خالی ہوتی ہے  
 اور نبوت جامع تنزیہ و تشبیہ دونوں مراتب کو شامل ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔  
 هو الاول والاخر والظاهر والباطن یعنی وہی اول اور وہی آخر ہے وہی ظاہر اور  
 وہی باطن ہے جیسے نبوت جامع حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اسی سلسلہ ولایت جامع  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے کامل اور باہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے جن کے حق میں  
 ارشاد ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی بہترین اُمت وہ لوگ ہیں جو تشبیہ  
 تنزیہ کے جامع ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ،  
 حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت امیر حسنؓ، امیر حسینؓ، دستہ ہاشمیہ اور عشرہ مبشرہ اور



اور اکابر مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اولیام تھے اس کے بعد تابعین میں سے حضرت اولیٰ  
قرنی وغیرہ۔

اس کے بعد والے زمانہ میں حضرت ذوالنون مصری، فصیل عیاض اور معروف کرخی ابراہیم آودھم، بشرحانی  
سری سقطی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، سہل تستری، ابوسعید خرازی، ابوالحسین، ابراہیم خواص،  
ابوبکر شبلی وغیرہ اکابر اولیاء کرام گزرے ہیں۔ ان کے بعد والے زمانے میں حضرت ابوسعید ابوالخیر (مرشد  
حضرت عنوت الاعظم) شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری، شیخ احمد جام، محمد معشوق طوسی، احمد غزالی،  
ابوالقاسم گرگانی ہو چکے ہیں۔

ان کے بعد والے زمانے میں ہمارے مقتداے اول قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت عنوت الاعظم  
محمی الدین سید عبدالقادر جیلانی، ابومدین مغربی، شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، شیخ نجم الدین کبریٰ،  
شیخ فرید الدین عطار، مولانا جلال الدین رومی وغیرہ صوفیاء کرام اور اولیاء عظام گزرے ہیں  
اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ عبید اللہ احرار،  
مولانا عبدالرحمان جامی، ان کے بعد میرے شیخ جنید ثانی حضرت شاہ میر اور میرے استاد میاں باری  
اور میرے مرشد ملا شاہ اور شاہ محمد دلربا اور شیخ طبیب سربندی اور باوالال بیراگی وغیرہ صوفیاء  
وفقراء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

## ۱۱ برہاند کا بیان

برہاند سے مراد کل اور گنبد کی شکل میں حضرت وجود خدا کے ظہور کا تقید ہے۔ چونکہ اس کا کسی  
خاص طرف میلان اور تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت سب کی طرف یکساں ہے اور سب پیدائش  
اور نمائش اسی کے درمیان ہے اس لیے فقراء ہند اس کو برہاند کہتے ہیں۔

یہ آوازہ جو ناؤ کے نام سے موسوم ہے موحدان ہند کے نزدیک تین قسم کی ہے۔

(۱) اناہت یعنی وہ آواز جو گزشتہ زمانے میں بھی تھی۔ اب بھی ہے اور آئندہ زمانہ میں بھی رہے گی۔  
 صوفیائے کرام اس آواز کو آواز مطلق، اور سلطان الازکار کہتے ہیں یہ آواز مطلق قدیم ہے۔  
 مہااکاس اسی آواز سے محسوس ہوتا ہے اور اس آواز کو ہرد و گردہ کے بہت بڑے لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں  
 ”آہت“ یعنی وہ آواز جو کسی چیز پر مارنے سے بلا ترکیب الفاظ پیدا کرتی ہے ”سبد“  
 یعنی وہ آواز جو الفاظ کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے آواز سبد کو ”سستی“ سے مناسبت ہے اسی آواز  
 سبد سے اہل اسلام میں اسم اعظم اور فقراء ہند میں ”بید مکتھ“ یعنی اوم ظاہر ہوا ہے۔  
 فقراء ہند کے ہاں اس اسم اعظم (اوم) کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ ہی ہر سہ صفت (ایجاد، البقاء  
 ابقاء) کا صاحب ہے اور فتحہ صنمہ اور کسوجن کو ہندی زبان میں اکارہ و کارہ، مکار کہتے ہیں اسی اسم  
 اعظم سے پیدا ہوئے ہیں اسی اسم کی فقراء ہند کے نزدیک ایک خاص صورت ہے جو کہ ہمارے

لے یہ جہان محض ارادۂ خداوندی سے لفظ کن کے ذریعے ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ارشاد  
 باری تعالیٰ ہے: بدیع السموات والارض و اذا قضیٰ امرًا فانما  
 یقولے لہ کن فیکون۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے  
 جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ”کن“ (ہو جا) پس وہ کام ہو  
 جاتا ہے۔

۲۔ ”اوم“ ہندوؤں کے ہاں ایک نہایت متبرک لفظ ہے جو ان کی مذہبی کتابیں شروع کرنے سے پہلے پڑھا جاتا ہے  
 ”تبرک ہونے کی وجہ سے ہی اہل ہندو اس لفظ کو زبان پر لاتے وقت اپنا منہ بائیں بند کر لیتے ہیں لیکن ابھی  
 تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اوم کے محسوس معنی کیا ہیں بعض فقراء ہند کے نزدیک یہ لفظ اوم  
 تین لفظوں (اوبیتی۔ ورماترا۔ کائٹرا) کا مخفف ہے یعنی ان ہر سہ الفاظ کا پہلا حرف (ا۔ و۔ م)  
 لے کر ان کے مجموعہ سے اوم کا لفظ بنا ہے پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ خدا جو پیدا کر نیوالا  
 ہے۔ بود کرنے والا اور نابود کرنے والا ہے۔ داراشکوہ نے اپنشدوں کے ترجمہ میں قرآن کریم  
 کو اوم الکتاب لکھا ہے۔

اسم اعظم سے مشابہت رکھتی ہے اس اسم میں بھی عناصر خمسہ ظاہر ہیں۔

## (۱۲) نور کا بیان

نور کی تین قسمیں ہیں۔ اگر بھلائی صفت میں ظاہر ہو تو یا سورج کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے یا قوت کے رنگ میں یا آگ کے رنگ میں اور اگر نورِ جمالی صفت میں ظاہر ہو تو یا چاند کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتا ہے یا چاندی کے رنگ میں یا موتیوں کے رنگ میں۔ ذات الہی کا نور جو کہ ان تمام صفات میں سے منزہ اور پاک ہے اس کو اولیاء اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اولیاء جن کے حق میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ** یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور یہ نور وہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور یا آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہے تو اس نور کو نہ ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہے اور نہ ظاہری کانوں سے سن سکتا ہے اور نہ زبان سے اس کو ادا کر سکتا ہے اور نہ بن ناک سے اس کو سونچھ سکتا ہے اور نہ قوت لامسہ سے اس کو ادا کر سکتا ہے حالانکہ خواب میں یہ سب کام ایک چیز سے کر لیتے اور اس کو دیگر اعضاء اور جو اس ظاہری اور چراغ کی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی اور اس خواب کی حالت میں جو اس خمسہ ظاہری بعینہ ایک ہو جاتے ہیں اس کو نور ذات کہتے ہیں اور یہی خدائے ذوالجلال کا نور ہے اے دوست ذرا غور و فکر کر کہ میں نے کیا کہا ہے کیونکہ یہ غور و فکر کا مقام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فکر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: **تَفَكَّرْ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةٍ سَنَةٍ** یعنی اس فکر الہی میں ایک گھنٹہ مستغرق رہنا ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور جو نور اس آیت سے منہوم ہوتا ہے اس کو فقراء ہند "جون سروپ" یا سواپیرکاس یا "سپین پرکاس" کہتے ہیں۔

**اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو نور عطا فرمانے والا ہے یہ نور ہمیشہ خود بخود روشن ہے خواہ جہاں میں نظر آئے یا نہ آئے چنانچہ صرفیائے کرام نے آیت مذکورہ الصدر میں نور کا ترجمہ منور (روشن کرنے والا) فرمایا ہے اسی طرح فقراء ہند

نے بھی نور کو منور سے تعبیر کیا ہے اور اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے اللہ نور السموات والارض۔  
 یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو نور اور روشنی عطا فرمانے والا ہے۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیما  
 مصباح یعنی اُس کے نور کی مثال اس طاچہ کی سی ہے جس میں چراغ دھرا ہے المصباح  
 فی زجاجتہ وہ چراغ شیشہ میں رکھا ہوا ہے الزجاجتہ کانتھا کوحب دُرّی  
 وہ شیشہ ایسا صاف شفاف اور چمکدار ہو جیسا چمکتا ہوا ستارہ یوقد من شجرۃ  
 مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربۃ جو مبارک درخت زیتون سے روشن  
 کیا گیا ہو اور مشرقی و مغربی ہواؤں سے محفوظ ہو۔ یعاد زینتھا لُضی و لو مسد نادر  
 کہ اس زیتون کا تیل بلا آگ لگائے روشنی دینے لگے۔ نور علی نور گویا نور پر نور ہے  
 یهدی اللہ لنورہ من یشاء رہنمائی کرتا ہے اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے۔  
 اس آیت کی تفسیر کے متعلق جو کچھ خاکسار کے فہم و ادراک میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ (طاچہ)  
 سے مراد عالم اجسام ہے اور مصباح (چراغ) سے مراد نور ذات الہی ہے جو کہ چمکدار ستارہ  
 کی طرح روشن ہے اس چراغ کو (نور ذات) کے ذریعے یہ شیشہ (روح) بھی چراغ کی طرح روشن  
 معلوم ہوتی ہے اس چراغ کے روشن ہونے سے مراد نور وجود ہے اور درخت مبارک سے  
 مراد حق تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جو کہ مشرقی و مغربی اطراف و جہات سے منترہ اور پاک ہے  
 اور زیت (زیتون) سے مراد روح اعظم ہے جو کہ نہ ازلی ہے اور نہ ابدی۔ یعنی وہ روغن زیتون  
 بے حد لطیف اور صاف و شفاف ہونے کے باعث خود بخود روشن ہے اس کو روشنی کی  
 ضرورت نہیں ہے چنانچہ حضرت شیخ ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ روح کی تعریف میں فرمانے ہیں کہ  
 روح کا شیشہ اس درجہ روشن ہے کہ دنیاوی آگ لگانے کی اس کی ضرورت نہیں ہے چونکہ اس  
 شیشہ روح میں ذاتی استعداد اور قابلیت انتہا درجہ کی ہے اس لیے وہ بہت جلد روشن ہو جاتا ہے  
 اور یہ نور زیت (روغن زیتون کی روشنی ہے) نور علی نور ہے یعنی بے حد صاف و روشن  
 ہونے کے باعث نور پر نور ہے اس روشنی کے ذریعے کوئی شخص اس نور وحدت کو دیکھ نہیں سکتا۔

جب تک کہ وہ خود اپنے نور وحدت کی طرف کسی کو رہنمائی نہ کرے پس اس آئیہ کو مہیہ کا خلاصہ مطلب یہ ہوا  
 حق تعالیٰ اپنے نور ذاتی سے لطیف و نورانی پردوں میں ظاہر ہے۔ کسی ظلمت اور پردہ کو نور ذاتی  
 میں گذر نہیں ہے اور نور ذاتی روح الارواح (روح اعظم) کے پردہ میں ظاہر ہے اور روح الارواح  
 دیگر ارواح کے پردہ میں اور دیگر ارواح اجسام کے پردہ میں ظاہر ہیں اسی طرح چراغ اس روغن  
 زیتون کے ذریعے شیشہ کے پردہ میں روشن ہے اور شیشہ طاقت کے پردہ میں رکھا ہے اور یہ  
 سب چیزیں نور ذات الہی سے روشنی حاصل کرتی ہیں اس لیے روشنی پر روشنی بڑھ گئی ہے  
 (ایک روغن زیتون کی روشنی دوسری شیشہ کی روشنی، تیسری نور ذاتی کی روشنی)

### ۱۲۲ دیدار الہی کا بیان

دیدار الہی کو فقراء ہند سا چھت کار کہتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا  
 جانتا چاہیے کہ دیدار الہی خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، ظاہری آنکھوں سے ہو یا باطنی آنکھوں  
 سے۔ اس میں کسی شبہ اور ولی کوشک و شبہ نہیں ہے۔ تمام اہل کتاب اور سب مذہبوں  
 کے کامل اور اہل دل لوگ اس امر پر متفق رائے ہیں خواہ اہل قرآن ہوں یا اہل بید خواہ  
 یہودی ہو یا عیسائی۔ البتہ بے سمجھ اور ظاہر بین لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدار الہی کے منکر ہیں۔  
 (جیسے شیعہ اور معتزلہ) جو خدائے قدوس ہر چیز پر قدرت اور طاقت رکھتا ہے کیا وہ اپنا  
 دیدار کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس دیدار الہی کے مسئلہ کو علمائے اہل سنت والجماعت نے خوب  
 واضح کر کے لکھا ہے یہ بھی واضح ہے کہ دیدار الہی سے مراد باری تعالیٰ کی ذات محض کا دیدار مراد  
 نہیں ہے کیونکہ ذات باری کا دیدار محال اور ناممکن ہے اس لیے کہ ذات باری لطیف اور بے تعین  
 ہے۔ وہ بغیر پردہ لطافت کے جلوہ گر نہیں ہو سکتی پس اس کا دیدار کس طرح ممکن ہے لہذا  
 محض ذات باری کا دیدار تو محال ہے ہاں نور وحدت کا دیدار ممکن بلکہ واقع میں ہے اور یہ بعض علماء  
 نے کہلے ہے کہ ”خداوند تعالیٰ کا دیدار آخرت میں ہو گا دنیا میں اس کا دیدار ناممکن ہے“ یہ محض

بے اصل بات ہے اس لیے کہ جب خدا تعالیٰ میں قدرتِ کاملہ موجود ہے تو پھر یہ کیونکر محال ہے کہ وہ اپنی  
 دیدار جہاں چاہے اور جس وقت چاہے کر دے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ جس کو اس دنیا میں اس کا دیدار  
 نصیب نہیں ہوا وہ آخر میں بھی اس کے دیدار سے محروم ہے گا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
 فِي هَذِهِ الْعَالَمِ فَلَهُ فِي الْآخِرَةِ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ یعنی جو شخص دنیا میں میرے دیدار کی دولت سے  
 محروم (اندھا) رہا وہ آخرت میں بھی محروم ہے گا۔ معتزلہ اور شیعہ جو دیدار الہی کے بالکل منکر ہیں۔  
 وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ کہتے کہ محض ذاتِ باری تعالیٰ کا دیدار انہیں ہے تب تو ان کو  
 بات درست تھی لیکن چونکہ وہ دیدار الہی کے تمام اقسام کے منکر ہیں اس لیے وہ نہایت غلط اور منکر  
 پر ہیں۔ اس لیے کہ اکثر پیغمبر اور کامل ولیوں نے خدا تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے  
 اور بلا واسطہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں۔ جبکہ وہ خدا تعالیٰ کا کرم برحمت سے انہیں  
 رکھتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ دیدار الہی کی ہر حجت سے سلاحت نہیں رکھتے۔ ظاہر یہ ہے  
 ہے کہ ضرور وہ دیدار الہی کی قابلیت رکھتے ہیں جس طرح خدا تعالیٰ، اس کے درشتوں، انبیاء  
 کتابوں، اس کے پیغمبروں، قیامت و فناء و قدر، خیر و شر اور اس کے مقدس مقامات اور عبادت  
 رکھنا فرض ہے اس طرح دیدار الہی پر ایمان اور یقین رکھنا بھی فرض اور لازم ہے۔ اس لیے  
 ظاہر بین علماء اہل سنت والجماعت اس حدیث کی بناء پر دنیا میں دیدار الہی سے ظہور  
 ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ  
 هل رأيت ربك؟ یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟  
 حضورؐ نے جواب دیا ہے کہ نور، اِنِّیْ اَرَاہُ یعنی وہ ایک نور ہے جس کو میں دیکھتا ہوں۔  
 وہ ظاہر پرست علماء اس حدیث کو نور، اِنِّیْ اَرَاہُ پڑھ کر یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ ایک نور ہے  
 اس کو میں کیونکر دیکھ سکتا ہوں اول تو یہ حدیث نور، اِنِّیْ اَرَاہُ پڑھنی چاہیے۔

(۱۴) **جہات کا بیان**

اہل اسلام کے نزدیک چھ جہتیں ہیں مشرق، مغرب، شمال، جنوب، اور پچھلے اور اہل ہند کے

نزدیک جہات کو دہہ کہتے ہیں وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے مابین کو بھی جہت سمجھتے ہیں اور ان کے مجموعہ کو دہہ دشامہ دیتے ہیں۔

### (۱۵) بیان آسمانہا

آسمانہا کو ہندی زبان میں لگن بولتے ہیں اہل ہند کے نزدیک آسمان آٹھ ہیں۔ سات آسمان تو وہی جو سات کو اکب سیارہ کا محل ہیں۔ وہ سبع سیارہ یہ ہیں۔ زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد، قمر، ہندی زبان میں ان سات ستاروں کو پتھر یعنی سینہ، برسپت، منگل، سوچ، سکر، بدھ، چندرما اس کہتے ہیں جس کو شریعت اسلامی میں کرسی کہا جاتا ہے اس کو حکماء ناک مشتم اور ناک ثابت کہتے ہیں۔ یہ کرسی (ناک مشتم) تمام زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَسِعَ کُرْسِيُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کرسی میں سما جاتے ہیں۔ سات آسمانوں اور کرسی کے بعد نویں چیز مہا اکاس (رئے خدا) ہے اس کو آسمانوں میں شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ کرسی ساتوں آسمانوں اور زمینوں بلکہ تمام مخلوقات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

### (۱۶) زمین کا بیان

اہل ہند کے نزدیک زمین کے سات طبقے ہیں ان سات طبقوں کا مجموعی نام ہندی میں سپت تال ہے اور ہر طبقہ کے یہ سات نام ہیں اتل، بتل، سوتل، تلاتل، مہاتل، رساتل، پاناتل۔ اہل اسلام کے نزدیک بھی زمینیں سات ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهِنَّ الْاَرْضُ مِثْلَهُنَّ یعنی اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات پیدا کیں۔

### ۱۷ زمین کی تقسیم کا بیان

کل رئے زمین کے حکماء نے سات حصے قرار دیئے ہیں ان ساتوں حصوں کو سہفت اقلیم کہتے ہیں۔

اور اہل ہند ان کو سپت دیپ کہتے ہیں۔ زمین کے ان سات طبقوں کو بیاز کے پردوں کی طرح تہ بہ تہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ نردبان کے پالوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک کے گرد اگر ایک ایک پہاڑ مانتے ہیں۔ ان سات پہاڑوں کے نام یہ ہیں: سمیرو، سموپت، ہمکوت، ہمون، مکرہ، پارجاترا، کیلا۔ یہ آیت بھی اس قول کی موید ہے والجببال او تاداً یعنی ہم نے پہاڑوں کو زمینوں کی میخیں بنایا ہے۔ ان سات محیط پہاڑوں کے ارد گرد سات سمندر ہیں جن کو سپت سمندر کہتے ہیں۔ اول لون سمندر یعنی دریائے شور و دم اچھدرس سمندر یعنی گنوں کے رس کا سمندر۔ سوم سمندر یعنی دریائے شراب، چہارم گھرت سمندر یعنی گھی کا سمندر، پنجم وہ سمندر یعنی وہی کا دریا، ششم کھیر سمندر یعنی دودھ کا دریا، ہفتم سواد جل یعنی صاف اور نپھرے ہوئے پانی کا دریا۔ دریاؤں کا سات ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام و البحر یحدر من بعدہ سجدۃ البحر ما لندت کلمات اللہ یعنی اگر روئے زمین کے درخت تھیں ہر جائیں اور وہ سات دریا سیاہی بن جائیں تو بھی خدا تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں۔ ہر ایک زمین پہاڑ اور دریا میں قسم قسم کی مخلوقات ہے۔ ان سب زمینوں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے اوپر محققین اہل ہند کے نزدیک اور زمین اور پہاڑ اور دریا ہیں۔ جن کو وہ لوگ سرگت (بہشت) بولتے ہیں اور جو زمین اور دریا کہ سب زمینوں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے نیچے ہیں ان کو نرک یعنی دوزخ کہتے ہیں محققین اہل ہند کے نزدیک بہشت اور دوزخ اسی جہان (برہماند) میں داخل ہیں۔ اس جہان سے خارج نہیں ہیں یہ سات آسمان جنہیں سبع سیارہ گردش کرتے ہیں ان کے متعلق ان (نقراء ہند) کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ساتوں آسمان بہشت کے ارد گرد گھومتے ہیں نہ کہ بہشت کے اوپر بہشت کی چھت یعنی عرش کو من آکاس کہتے ہیں اور بہشت کی زمین کو کرسی کہتے ہیں۔

(۱۸) عالم برزخ کا بیان

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ من مات فقد قام قیامتہ جو شخص مر گیا اس کے لیے قیامت پر ابھری



مرنے کے بعد آتما (روح) اس بدن عنصری سے جدا ہو کر فوراً سوچ سمجھ سمر پر یعنی مکتی کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے  
یہ مکتی (نجات) کا بدن ایک لطیف بدن ہے جو اعمال انسانی کا نمونہ اور صورت ہے نیک اعمال کا نمونہ  
اچھا اور بد اعمالی کا نمونہ ہر بدن تیار ہوتا ہے سوال و جواب کے بعد فوراً بہشتی بہشت میں جاتے ہیں۔  
اور دوزخ دوزخ میں جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے: **فَالَّذِينَ شَقُوا فِي النَّارِ  
لَهُمْ فِيهَا ذُخُرٌ وَشِهيقٌ خَلدٌ بَيْنَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ  
رَبُّكَ**۔ انار بک فعال لمایریب و اما الذین سعدوا ففی الجنة خلدین فیہا  
ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء کخیر محمد و دلعبنی جو لوگ ازل  
میں بہشت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں فریاد و نال کرتے رہیں  
گے جب تک کہ آسمان اور زمینیں قائم ہیں مگر جس کو خدا چاہے۔ بے شک تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا  
ہے کرتا ہے اور جو لوگ ازل میں بہشت میں وہ زمین و آسمان کے باقی رہنے تک بہشت میں رہیں گے مگر جب تک  
خدا چاہے کم ان کو بہشت سے نکالے رکھے گا۔ خدا تعالیٰ کی بخششیں بے انتہا ہیں۔

دوزخ سے نکالنے کے یہ معنی ہیں کہ زمین آسمان کے برطرف ہونے سے پیشتر اگر خدا تعالیٰ چاہے گا  
تو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کر دے گا حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت مذکورۃ الصد  
کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ: **یَا نَبِیِّ عَلَیْ جِلَّتْ زَمَانُ فِیْهَا اَحَدٌ ذَالِكَ بَعْدَ مَا  
یَسْكُونُ اَحْقَابًا**۔ یعنی جب دوزخیوں کو دوزخ میں سزا پاتے ہوئے مدتہائے دراز  
گزر جائے گی تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ دوزخ میں کوئی دوزخی باقی نہ رہے گا۔

بہشتیوں کو بہشت سے نکالنے کا یہ مطلب ہے کہ زمین و آسمان کے فنا ہونے سے پہلے اگر خدا  
چاہے گا تو وہ مرے بہشت سے نکال کر فردوس بریں میں داخل کر دیگا۔ یہ فردوس بریں  
خدا تعالیٰ کا ایک بے حساب عطیہ ہے نیز اس آیت کے بھی یہی مضمون ثابت ہے: **وَرِضْوَانٌ  
مِّنَ اللّٰهِ الْكَبْرِ ذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ** یعنی خدا تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی بہشت ہے  
یہ ایک بڑی کامیابی اور نجات کی جگہ ہے۔

اہل ہند فرسوس بریں کو بیکنٹھ کہتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی بیکنٹھ سے بڑی مکتی (نجات) کی جگہ ہے

## ۱۹ قیامت کا بیان

فقراء ہند کا اعتقاد ہے کہ جب لوگوں کو دوزخ و بہشت میں رہتے ہوئے مدت ملے دراز گزر جائے گی تو مہا پرلی یعنی قیامت کبریٰ قائم ہو جائے گی چنانچہ اس آیت قرآنی سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ فَاِذَا جَاءَتِ الطَّامَاتُ الْكُبْرٰی۔ یعنی جب قیامت کبریٰ برپا ہو جائے گی نیز اس آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ثابت ہوتی ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنۡ شَاءَ اللّٰهُ۔ یعنی جب نرسنگا میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک لگائیں گے تو زمین و آسمان میں رہنے والے سب بے ہوش ہو جائیں گے لیکن جن کو خدا چاہے گا بے ہوش ہونے سے بچ لے گا اور بے ہوشی سے محفوظ رہنے والے عارف لوگ ہوں گے جو دنیا و آخرت دونوں جہاں میں بے ہوشی اور غفلت سے محفوظ ہیں۔ جب زمین و آسمان ہر طرف ہو جائیں گے۔ اور بہشت و دوزخ فنا ہو جائیں گے۔ نیز جب برہاند کی عمر ختم ہوگی وہ بھی فنا ہو جائے گا تو بہشتیوں اور دوزخیوں کو نجات کامل حاصل ہوگی یعنی ذات الہی میں فنا ہو جائیں گے جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلٰیهَا فَاِنِ وَّيَقِيْ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ یعنی جو کچھ رُوئے زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا اور باقی محض خدا ذوالجلال کی ذات اقدس رہ جائے گی۔

## ۲۰ مکتی (نجات) کا بیان

مکتی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوقات ذات حق میں فنا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ وَرَضَوَانَ مِنْ اللّٰهِ الْاَكْبَرِ ذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ رضوان اکبر میں داخل ہونا ایک بہت بڑی مکتی ہے مکتی کی تین قسمیں ہیں (۱) حیوان مکتی یعنی زندگی میں نجات پا جانا وہ اس طرح ہے کہ

انسان معرفتِ الہی حاصل کر کے اپنی زندگی میں ہی خلاصی اور نجات حاصل کرے اور اسی جہان میں تمام چیزیں اس کو ایک ہی دکھائی دیں اور تمام نیک و بد اعمال و افعال و حرکات و سکنات نہ اپنی طرف منسوب کرے نہ کسی اور کی طرف۔ اپنے آپ کو بلکہ تمام موجودہ اشیاء کو عین حق سمجھے اور سب میں خدائی مراتب کا جلوہ سمجھے اور تمام برہان جس کو صوفیائے کرام عالم کبریٰ اور خدا کی صورت کلی کہتے ہیں اس کو گویا خدا تعالیٰ کا بدن جسمانی تصور کرے اور عنصرِ اعظم یعنی مہا آکاس جو کہ سوچھم سریر کے قائم مقام ہے اس کو خدا تعالیٰ کا بدن لطیف سمجھے اور خدا تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو بدنِ الہی کی رُوح سمجھے۔ تمام مخلوقات ذرہ سے لے کر پہاڑوں تک خواہ عالم ظاہری میں موجود ہو یا عالم باطنی میں سب کو عین خدا سمجھ کر ایک معین شخص تصور کر کے اس وحدہ لا شریک کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی اور کو دیکھے نہ جانے جیسا کہ انسان کے مختلف اور کثیر التعداد اعضاء ہیں مگر باوجود کثرت اعضاء کے انسان کی ذات ایک ہی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی ذات واحد کو بھی باوجود کثیر التعداد مخلوقات کے ایک ہی سمجھے۔

۷ جہاں یکسر چہ ارواح و چہ اجسام : بود شخصے معین عالمش نام

جہاں سب کا سب خواہ ارواح ہوں یا اجسام ایک شخص معین کی طرح ہے جس کا نام عالم (جہاں) ہے پس حق سبحانہ و تعالیٰ کو اس شخص معین کو روح و رواں سمجھے اور یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ اس شخص معین کے بال بال میں جلوہ نما ہے جیسا کہ شیخ سعد الدین حموی فرماتے ہیں۔ رباعی :-

حق جانِ جہان است و جہاں جلد بدن : ارواح و ملائک و حواس ایں ہمہ تن

افلاک و عناصر و موالید و اعضاء : توحید ہیں است و در گرشوہ فن

یعنی تمام جہاں مل کر گویا ایک بدن کی طرح ہے اور حق تعالیٰ اس بدن (جہاں) کی روح ہے روحین

فرشتے، حواس، آسمان، عناصر حیوانات، نباتات، جمادات اور حیوانات کے اعضاء یہ سب مل کر

گویا ایک بدن ہیں۔ توحید دراصل یہی ہے۔ اس کے علاوہ سب مکر و فریب کا بل صوفی ہمیشہ جس

چیز پر نظر ڈالتا ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے فلاں عضو کو دیکھ رہا ہوں۔ فقراء ہند مثل

یہ اس وغیرہ تمام برہاند کو ایک شخص معین تصور کر کے اس تصور کردہ شخص معین کو مہا پرس (خدا) بولتے ہیں اور اس کے اعضائے جسمانی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ پاتال یعنی زمین کا ساتواں طبقہ گو یا مہا پرس کے پاؤں کا تلو ہے اور رسائل یعنی زمین کا چھٹا طبقہ گو یا مہا پرس کے پاؤں کی پشت ہے اور دیو شیطان مہا پرس کے پاؤں کی انگلیاں ہیں اور جن جانوروں پر شیطان سوار ہوتا ہے۔ وہ جانور گو یا مہا پرس کے ناخن ہیں اور مہائل یعنی زمین کا پانچواں طبقہ گو یا مہا پرس کا ٹخنہ ہے اور ترائل یعنی زمین کا چوتھا طبقہ گو یا مہا پرس کی پنڈلیاں ہیں۔ سوتل یعنی زمین کا تیسرا طبقہ مہا پرس کا گھٹنا ہے اور بتل یعنی زمین کا دوسرا طبقہ گو یا مہا پرس کی ران ہے اور اتل یعنی زمین کا پہلا طبقہ گو یا مہا پرس کا آلہ تناسل ہے اور کال یعنی زمانہ مہا پرس کی رفتار اور چاں ہے اور بر جانت دیوی جو کہ تمام جہان کے پیدا کرنے کرانے کا باعث ہے وہ مہا پرس کی قوتِ مردی ہے بارش مہا پرس کا نطفہ ہے بھولوک یعنی زمین سے لے کر آسمان تک سب کچھ مل کر گو یا مہا پرس کے زیرِ ناف والا حصہ ہے جنوب کی طرف کے تین پہاڑ گو یا مہا پرس کا دایاں ہاتھ ہے اور شمالی طرف کے تین پہاڑ گو یا مہا پرس کا بائیں ہاتھ ہیں اور سمیر پرت گو یا مہا پرس کے چوتھے ہیں۔ صبح کا ذب کی روشنی گو یا مہا پرس کے کپڑے کی مغزی کی تار ہے۔ اور صبح صادق کی روشنی گو یا مہا پرس کی چادر کا سفید رنگ ہے۔ چنانچہ الکبریٰ رادانی والی حدیث کا اس طرف اشارہ ہے۔

اور شام کا وقت جبکہ آسمان پر سُرخ پھیلی ہوئی ہوتی ہے وہ گو یا مہا پرس کی شرمگاہ دھکنے کا کپڑا ہے چنانچہ حدیث العظمتہ رادانی کا اشارہ اسی طرف ہے اور سمندر یعنی بحرِ محیط گو یا مہا پرس کی ناف ہے اور بدائل و آتشی مکان ہے جو کہ اس وقت بھی سات دریاؤں کا پانی خشک کر دیکھا۔ یہ بدائل گو یا مہا پرس کے معدے کی گرمی ہے۔ یہ طغیانی نہیں آنے دیتا اور قیامت کبریٰ میں تو تمام پانی کو خشک کر دے گا۔ یہ بدائل اور باقی تمام دریا گو یا مہا پرس کی رگیں ہیں جیسا کہ تمام رگیں ناف تک پہنچتی ہیں۔ اسی طرح تمام دریا بھی سمندر میں جا گرتے ہیں۔ گنگا، جمنا اور سستی نینوں مل کر گو یا مہا پرس کی شرمگاہ ہیں انکلا، جمنا، بنیلا، جمونا، سکھنا، سستی بھولوک (تمام

آسمانوں سے اوپر والا ذریعہ جہاں گذر کر کے دیوتے رہتے ہیں اور وہاں سے آواز آتی ہے، یہ سب مل کر گویا مہا پرِس کا پیٹ ہیں۔ قیامتِ صغریٰ کی آگ گویا مہا پرِس کا ناشتہ ہے اور قیامتِ صغریٰ میں پانی کا خشک ہو جانا گویا مہا پرِس کی پیاس ہے اور سرگِ لوک (جو کہ بھولوک سے بالاتر ہے اور بہشت کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے) گویا مہا پرِس کا سینہ ہے کہ ہمیشہ خوشی اور آرام اسی میں ہوتا ہے اور تمام ستارے گویا مہا پرِس کے جواہرات ہیں خدا تعالیٰ کا کسی کو بلا سوال کوئی چیز عطا کر دینا گویا مہا پرِس کا دایاں پستان ہے اور سوال سے کسی کو مرحمت فرمانا گویا مہا پرِس کا بائیں پستان ہے۔ اور اعتدال، رجوگن، ستوگن، متوگن، جن کا مجموعہ پرکرت کہلاتا ہے گویا مہا پرِس کا دل ہے جس طرح کنول کے پھول کے نین رنگ میں سفید، سرخ اور بنفشی اسی طرح دل جو کہ کنول کی شکل کا ہوتا ہے اس میں بھی تین صفتیں پائی جاتی ہیں اور یہ تینوں تین رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔

برہما، لشن، مہیش۔ برہما جس کو من بھی کہتے ہیں مہا پرِس کے دل کی حرکت اور ارادہ کا نام ہے لشن مہا پرِس کے رحم اور مہربانی کا نام ہے اور مہیش مہا پرِس کے غصے اور قہر کا نام ہے چاند گویا مہا پرِس کے مسکرانے اور خوش ہونے کو کہتے ہیں اسی لیے چاند غم و اندیشہ کو دور کر دیتا ہے۔ کوہِ سمیرت گویا مہا پرِس کی کمر ہے اور سمیرت کے دلہنے اور بائیں طرف والے پہاڑ گویا مہا پرِس کی پسلیاں ہیں اور آٹھ فرشتے جو کہ دنیا کے کوٹوال ہیں اور اندر جو کہ سب فرشتوں کا سردار ہے جس میں کمال درجہ کی طاقت پائی جاتی ہے دنیا کو دینا یا نہ دینا، مینہ برسانا یا نہ برسانا سب اندر فرشتے کے متعلق ہے۔ یہ آٹھوں فرشتے بمعہ اندر کے مہا پرِس کے دونوں ہاتھ ہیں۔ داہنا ہاتھ دینے اور مینہ برسانے کا اور بائیں ہاتھ نہ دینے اور بارش بند کرنے کا ہے۔ اچھرا یعنی حوران بہشتی مہا پرِس کے ہاتھوں کی پھیلیوں کی لکیریں ہیں اور وہ فرشتے جن کو اہل ہند چھبہ کہتے ہیں۔ مہا پرِس کے ہاتھوں کے ناخن ہیں۔ نین فرشتے لوک پال کے مہا پرِس کے دلہنے ہاتھ ہیں اور جم فرشتہ مہا پرِس کا بازو ہے۔ اور کول پال فرشتہ مہا پرِس کا بائیں ہاتھ ہے اور کلپ برچھ یعنی ستر طوبی مہا پرِس کی لاکھی ہے۔ قطب جنوبی مہا پرِس کا داہنا کندھا اور قطب شمالی بائیں کندھا ہے اور برن لوک پال فرشتے کا نام ہے

جس کے سپرد تمام مخلوقات کو پانی پہنچانا ہے اور جو کہ خرب کی طرف رہتا ہے یہ برن فرشتہ ہمیشہ  
 مہا پرس کی گردن کا مسکا ہے اناہت یعنی سلطان الافکار مہا پرس کی باریک آوازت۔ مہر لوک  
 (جو کہ سرگ لوک سے ادر پر ہے) مہا پرس کا کلا اور گردن ہے۔ اور جن لوک جو کہ مہر لوک سے اوپر  
 ہے۔ مہا پرس کا منہ مبارک سے نوازش جہاں مہا پرس کی ٹھوڑی سے جہاں میں جو پرس اور  
 لالچ پایا جاتا ہے یہ گویا مہا پرس کا بچلا ہونٹ ہے۔ اور شرم و حیا مہا پرس کا اوپر والا  
 ہونٹ ہے اور محبت و الفت مہا پرس کے گویا مسوڑھے ہیں اور تمام جہاں کی خوراک گویا  
 مہا پرس کی خوراک ہے اور عنصر آب مہا پرس کا منہ اور تالو ہے اور عنصر آتش مہا پرس کی زبان  
 ہے اور سرستی مہا پرس کے بولنے کی طاقت ہے اور چاروں بید مہا پرس کی صداقت اور سچائی ہے  
 مایا یعنی عشق (جس کے باعث تمام جہاں پیدا ہوا) گویا مہا پرس کی مہنی اور مذاق ہے اور جہاں  
 کی آٹھوں سمین مہا پرس کی دکان ہیں اشنی کمار (جو کہ نہایت خوبصورت فرشتے ہیں) مہا پرس کے  
 ناک کے ہر دو اندرونی پردے ہیں۔ کندرتن ماتر یعنی عنصر خاک مہا پرس کی قوت شامبے عنصر باد گویا  
 مہا پرس کا سانس لینا ہے جن لوک اور پ لوک جو بہشت کا پانچواں اور چھٹا طبقہ ہے کا درمیانی حصہ  
 نور ذات الہی سے بھرا ہوا ہے اس کا نصف جنوبی حصہ مہا پرس کی داہنی آنکھ اور نصف شمالی حصہ  
 مہا پرس کی بائیں آنکھ ہے اور اصلی نور جس کو آفتاب ازلی کہتے ہیں مہا پرس کی قوت باس رہے اور  
 تمام مخلوقات مہا پرس کی نظر عنایت کا نتیجہ ہے دن اور رات گویا مہا پرس کا آنکھ جھپکانا ہے مہر لوک  
 فرشتہ جو محبت کا اور تو ستانا نامی جو کہ دشمنی اور عنف کا ہے مہا پرس کے دونوں ابرو ہیں پن لوک جو کہ  
 جن لوک سے ادر واقع ہے مہا پرس کی بدیشانی ہے اور وہ لوک جو سب لوگوں سے بالاتر ہے۔  
 مہا پرس کی کھوپڑی ہے آیات توحید اور کتاب اللہ مہا پرس کا ام الدماغ ہے۔ سیاہ بادل جو پرس  
 کے سر کے بال ہیں اور تمام پہاڑوں کی بناات مہا پرس کے بدن کے بال ہیں اور لچھی جو کہ دولت و  
 خوبی عالم ہے مہا پرس کا حسن ہے۔ چمکانا ہوا سورج مہا پرس کے بدن کی سفائی ہے۔ جوت اکاس  
 مہا پرس کے بدن کے مسامات ہیں۔ جدا کاس کے بدن کی روح ہے۔ ہر ایک آدمی کی سوزت و شکل

مہا پرس کا گھر ہے انسان کامل مہا پرس کا خاس محل اور خلوت کی جگہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے داؤد میرے لیے گھر بناؤ۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خداوند۔ تو گھر سے پاک ہے۔ فرمایا کہ میرا دل دراصل تو ہی ہے اپنے دل کو غیروں سے خالی رکھو۔ اور جو کچھ اس پر ہاں میں مفصل طور پر موجود ہے، وہ سب کچھ اجمالی طور پر انسان میں موجود ہے۔ اسی لیے انسان کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ جس شخص کو اس قدر معرفت حاصل ہو جائے اسی کے لیے حیوانی مکت ہے اور اسی کے حق میں یہ آیت قرآنی نازل ہوئی ہے۔ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ يَعْنِي ان كُوْنُكَ اللهُ تَعَالَىٰ۔ اپنے فضل و کرم سے دکھا رہا ہے اس سے وہ خوشحال ہیں۔ یہ تو مکتی کی پہلی قسم کی مکتی اب مکتی کی دوسری قسم ملاحظہ ہو۔ سرب مکت یعنی نجات کامل۔ سرب مکت کے یہ معنی ہیں کہ ذات الہی میں فنا ہو جائے۔ یہ سرب مکت تمام مخلوقات کو شامل ہے قیامت کبریٰ کے بعد جب آسمان و زمین بہشت و دوزخ فنا ہو جائیں گے اور سرب ماند اور دن رات نابود ہو جائیں گے تو تمام مخلوقات ذات الہی میں فنا اور محو ہونے کے باعث نجات پا جائیں گی اس مکتی کی طرف ان دو آیتوں میں اشارہ ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یعنی خدا تعالیٰ کا فردوس بریں بہت بڑی نجات اور کامیابی ہے۔ إِلَّا إِنْ أُوْيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا کوئی خوف و خطر ہے اور وہ غمگین ہوں گے۔

سرب مکت۔ یعنی آخری نجات سرب مکت کے یہ معنی ہیں کہ جس دفعہ علی عارف الہی سیر کرے۔ خلاص اور نجات یافتہ ہو خواہ وہ بیرون میں ہو یا رات میں عالم ظاہر ہو یا عالم باطن میں۔ خواہ سرب ماند نظر آئے یا نہ آئے۔ خواہ وہ سیر زمانہ گزشتہ میں ہو یا موجودہ زمانہ میں یا آئندہ زمانہ میں اور جہاں جہاں قرآن مجید میں جَنَّتْ تَخْلِدُ فِيهَا أَبَدًا واقع ہوا ہے وہاں جنت سے مراد معرفت الہی ہے اور ابدا سے مراد اس مکتی کی ابدیت ہے کیونکہ ہر جگہ معرفت الہی کی استغداد اور قابیت اور فضل الہی درکار ہے چنانچہ حسب ذیل دو آیتیں اسی جماعت کے حق میں وارد ہوئی ہیں: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ

مُقِيمٌ خَلْدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنی رحمت فرودس  
 برسوں اور ان بہشتوں کی ان کو خبر دیتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں اور نہ ختم ہونے والی نجات ہے  
 بے شک خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ  
 إِنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا مَّا كَثُرُوا فِيهِ أَبَدًا۔ یعنی خدا تعالیٰ ان مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے۔  
 جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے وہ اس فرودس اعلیٰ میں ہمیشہ رہیں گے۔

## ۲۱ دن اور رات کا بیان

فقراء ہند کے نزدیک برہما یعنی جبرائیل علیہ السلام کی عمر اور برہماند کے باقی رہنے کی مدت دنیا  
 اٹھارہ انج سال ہے ہر ایک انج ایک ہزار برس کا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَإِنَّ يَوْمًا  
 عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سِنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ یعنی خدا تعالیٰ کے ہاں دنیا داروں کے حساب کے  
 مطابق ایک ہزار سال کا دن ہوتا ہے نیز ارشاد باری ہے تَعْرُوجُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ إِلَيْهِ  
 فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے ذرشتے خصوصاً  
 جبرائیلؑ اس روز جو پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ ہر ایک دن ایک ہزار برس کا ہوگا۔ جیسا کہ پہلی  
 آیت میں صریحاً مذکور ہو چکا ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی عمر اور دن کی عمر اور تمام  
 برہماند کی مدت دنیا کے اٹھارہ انج سال ہے ہر ایک انج ہزار برس کا ہوتا ہے فقراء ہند کا  
 یہی مسلک ہے۔

جاننا چاہیے کہ اٹھارہ کی خصوصیت فقراء ہند کے نزدیک اٹھ اور دس پر مخصوص ہے اس سے  
 زیادہ ان کے ہاں کوئی مرتبہ نہیں ہے اور جو چھوٹی چھوٹی قیامتیں اس اثنا میں گزری ہیں ان کو  
 کھنڈہ پرلی کہتے ہیں جیسے پانی کا طوفان یا آگ کا طوفان یا ہوا کا طوفان۔ جب یہ مدت (اٹھارہ ہزار  
 سال) ختم ہو جائے گی تو دن (دنیا) شام (قیامت) بن جائے گا۔ اور قیامت کبریٰ (مہا پرلی) قائم ہو  
 ہو جائے گی جیسا کہ حسب ذیل روایتوں میں مذکور ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ یعنی جس روز



اس دنیا کی زمین کے بدلہ میں کوئی اور زمین (قیامت کی زمین) لائی جائے گی۔ وایوم نظوی السماء  
 صطس السجیل لا یتب یعنی جس دن ہم آسمان کو اس طرح پٹیں گے جس طرح کاغذ لکھنے کے لیے  
 لپیٹا جاتا ہے قیامت کبریٰ کے بعد شب بطون آئے گی جو کہ روزِ ظہور کے برابر ہے جس میں تمام  
 مخلوقات خدا کی ذات میں فنا ہو جائے گی یہ شب بطون بھی اٹھارہ ہزار سال کی ہے اوستہا تم  
 یعنی سکھوت اور جبروت کی مدت حضرت ذات الہی ہے جو کہ جہاں کے پیدا کرنے اور فنا کرنے  
 سے فارغ ہے اسی سکھوت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ سَنَفْرَغُ نَكْمًا أَيُّهَا الثَّقَلَانُ۔  
 یعنی اے انسانو! اور جنوں۔ ہم عنقریب تم سے فارغ ہو جائیں گے حضرت ذاتِ ظہورِ عالم کے زمانہ میں  
 اس وقت کے منقار پر ہے اور قیامت صغریٰ میں مقام ماکوت اور قیامت کبریٰ کے بعد تھا ابروت  
 میں ہوگا

اے دوست بوجھ میں نہ دن رات کے متعلق بکھلے یہ نہایت تحقیق و تدقیق سے اپنے کشت  
 کے مطابق بکھلے اور یہ میرا کشف ان مذکورہ روایتوں کے مطابق واقع ہوا ہے یہ تحقیق گو آپ نے  
 کسی کتاب میں نہ دیکھی ہوگی اور نہ کسی سے سنی ہوگی تاہم اگر کسی ناقص العقل کو میری یہ تحقیق ناگوار معلوم  
 ہو تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّي وَعَنْ عَالَمِينَ یعنی خداوند کریم جہان سے  
 بے پرواہ ہے نیاز ہے۔

### (۲۲) زمانہ کی بے انتہائی کا بیان

محققین اہل ہند کے نزدیک صرف یہی ایک رات اور ایک دن ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی دن راتیں  
 ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس بے انتہا گردشِ زمانہ کو اناد پرواہ کہتے ہیں زمانہ کی اسی بے انتہائی  
 کے متعلق خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے

ماجرای من و معشوق مرا پایاں نیست : ہر چہ آغاز ندارد نپذیرد انجام

یعنی میری اور میرے معشوق کی داستان کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ جس چیز کی ابتداء نہیں ہوتی

اس کی انتہا بھی نہیں ہو کرتی جو کچھ کچھلے دنوں اور راتوں میں خدا تعالیٰ کی صفیتیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔  
 آئندہ کے دنوں میں بھی بعینہ ہی لوٹ کر آنا ہی کی جیسا کہ آیت میں صریحاً مذکور ہے کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ  
 خَلْقٍ نُّعِيدُهُ یعنی جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ مخلوقات کو پیدا کیا ہے پھر دوبارہ اسی کو پیدا کریں گے  
 پس معلوم ہوا کہ اس دور کے ختم ہونے کے بعد پھر بعینہ ابوالبشر آدم علیہ السلام پیدا ہوں گے  
 علیٰ ہذا القیاس ہمیشہ اسی طرح یہ دور زمانہ گردش کرتا ہے گا نیز یہ آیت بھی اسی مضمون  
 پر دلالت کرتی ہے۔ کَمَا بَدَأْكُمْ تَعُوذُونَ یعنی جس طرح ہم نے پہلے تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح  
 ہم پھر تمہیں پیدا کریں گے

اگر کوئی مستخص یہ اعتراض کرے کہ بے نہایتی ادا سے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا  
 خاتم النبیین ہونا ثابت نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے دور میں بھی حضور علیہ السلام بعینہ  
 پیدا ہوں گے لہذا اس دور میں بھی آپ خاتم الانبیاء ہی رہیں گے چنانچہ یہ حدیث اسی مضمون کی  
 موید ہے کہ سب معراج کو حضور پر نور علیہ السلام نے اونٹوں کی ایک بے انتہا قطار رکھی۔ ہر ایک  
 اونٹ پر درود و صدق لکھے ہوئے تھے اور ہر ایک صدوق میں اس جہان کی طرح ایک جہان تھا  
 اور ہر جہان میں بعینہ اپنی طرح کا ایک محمد دیکھا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضور صلعم نے  
 دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے  
 میں پیدا ہوا ہوں اس وقت سے میں اسی طرح دیکھ رہا ہوں کہ اونٹوں کی بے انتہا قطار مع  
 صدوقوں کے جاری ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ دراصل یہ درودوں کو  
 بے نہایتی کی طرف اشارہ ہے۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اس کی توفیق سے رسالہ مذہب موسومہ ”مجمع البحرین“ ۱۰۶۵ھ  
 میں جبکہ اس خاکسار محمد داراشکوہ کی عمر بہا لیس سال کی تھی۔ ختم ہو گیا۔

تمت الخیر

## کتابیات

- ۱- ایرنگ خیال نومبر ۱۹۲۲ء
- ۲- پنجاب میٹاریکل سوسائٹی جرنل
- ۳- حسنت العارین
- ۴- ماہنامہ مسلح جنوری ۱۹۲۶ء
- ۵- مقامات مظہریہ - مرزا مظہر جان جاناں
- ۶- ماہنامہ سونی دسمبر ۱۹۲۶ء
- ۷- مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد اول
- ۸- مقالات شبلی جلد ہفتم
- ۹- مجمع البحرین (انگریزی) محفوظ الحق
- ۱۰- دیوان داراشکوہ - احمد بی خان
- ۱۱- لاہور (انگریزی) عبداللطیف
- ۱۲- داراشکوہ حیات و تالیف - وکراجیت سرت
- ۱۳- نقوش دس سالہ نمبر ۱۹۵۸ء مضمون پرندیسالک
- ۱۴- آئینہ حقیقت - عبدالرحمان شاستری
- ۱۵- شعر العجم - مقدمہ اکرام الحق
- ۱۶- رود کوثر - شیخ اکرام
- ۱۷- پادشاہ نامہ جلد اول - عبدالحمید
- ۱۸- سفینتہ الاولیاء - داراشکوہ
- ۱۹- منتخب الالباب جلد اول رسوم - خانی خان
- ۲۰- تترک جہانگیری
- ۲۱- عمل صالح - محمد صالح کنبوہ
- ۲۲- ظفر نامہ شاہجہاں از مولوی ذکاء اللہ
- ۲۳- داراشکوہ (انگریزی) قانونگو
- ۲۴- خزینتہ الامنیاء - مفتی غلام سرور
- ۲۵- رقعات عالمگیری مرتبہ نجیب اشرف ندوی
- ۲۶- مفاتیح التواریخ
- ۲۷- داراشکوہ (انگریزی) معین الدین
- ۲۸- مائتہ عالمگیری
- ۲۹- عالمگیر نامہ
- ۳۰- اورنگ زیب - جادوناقد سرکار
- ۳۱- تاریخ شاہ شجاع - میر محمد معصوم
- ۳۲- سکینتہ الاولیاء - داراشکوہ
- ۳۳- اردو ترجمہ سکینتہ الاولیاء - بدشتانی مقبول بیگ
- ۳۴- البیرونی کا بھارت

